بحرالکاہل کی سیاست

مکتبہ جامعہ دہلی

بحرالکاہل کی سیاست

11

بحرالکاہل کی سیاست

امین خالدی

مکتبہ جامعہ
دہلی - نئی دہلی - لاہور - لکھنؤ - بمبئی
بار اول — ۱۰۰۰
قیمت

اکتوبر سنہء
مطبوعہ حیدربرقی پریس، دہلی

عرضِ ناشر

مکتبہ جامعہ نے اپنے پنج سالہ پروگرام کے تحت دنیا کی بعض اہم سیاسی تحریکوں اور مسائل پر تقریباً بارہ مقالے لکھوانا طے کیا تھا۔ یہ مقالہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس وقت چار رسائل بیک وقت شائع کئے جا رہے ہیں۔ یعنی ممالک اسلامیہ کی سیاست، بحرالکاہل کی سیاست، قومیت اور بین الاقوامیت اور نازیت۔ ہمیں امید ہے کہ وہ حضرات جو اردو میں سیاست پر کچھ پڑھنا چاہتے ہیں، انھیں پسند فرمائیں گے۔

ناشر

فہرست مضامین

دیباچہ

بحرالکاہل (Pacific Ocean) کے سیاسی مسائل کا مطالعہ کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ بحرالکاہل اور اس کے اطراف کے ممالک کے جغرافیائی حالات، تاریخ اور اقتصادی مسائل کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کتاب میں سب سے پہلے جغرافیائی حالات پر روشنی ڈالی گئی ہے اقتصادی مسائل کے سمجھنے میں آسانی پیدا کرنے کے لئے کئی اعداد و شمار اور نقشہ جات دیئے گئے ہیں جن سے مختلف ممالک کی پیداوار، رقبہ، آبادی اور تجارت کا اندازہ ہو سکتا ہے، ہر ملک کے مسائل اور سیاسی اہمیت کا ذکر علیحدہ علیحدہ تاریخ کی روشنی میں کیا گیا ہے تاکہ موجودہ حالات کا ماضی سے تعلق معلوم ہو اور مستقبل کے متعلق اندازہ کیا جا سکے۔ بحرالکاہل کے جزیروں اور بندرگاہوں کے محل وقوع کی اہمیت واضح کرنے کے لئے اور بحری و ہوائی راستوں اور جغرافیائی معلومات کی وضاحت کے لئے چند نقشے شامل کئے گئے ہیں، بحرالکاہل کے ممالک میں سب سے پہلے چین کا اس کے بعد جاپان اور دوسرے ممالک کا ذکر کیا گیا ہے، دورِ حاضر میں چین بحرالکاہل کا اہم ترین ملک نہیں ہے، لیکن چین کی قدیم تہذیب، آبادی، وسیع رقبہ، بے شمار زرعی و معدنی دولت، قومی بیداری اور شاندار مستقبل کو دیکھتے ہوئے مناسب معلوم ہوا کہ سب سے پہلے

چین کا ذکر کیا جائے

جو اصحاب مشرق بعید کے سیاسی حالات کا صرف سرسری مطالعہ کرنا چاہتے ہیں وہ اس کتاب کے مندرجہ ذیل ابواب ملاحظہ فرمائیں:۔

پہلا باب ۔ تمہید
آٹھواں باب۔ جاپان، برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ
گیارہواں باب۔ بحرالکاہل میں جنگ کے امکانات
بارہواں باب۔ اختتام

اس کتاب کی تیاری میں جن کتب اور رسائل سے مدد ملی ان کی فہرست کتاب کے آخر میں دی گئی ہے، یہ اُن حضرات کے لئے مفید ثابت ہوگی جو بحرالکاہل کے مسائل کا بالتفصیل مطالعہ کرنا چاہتے ہوں۔

امین خالدی

بحرالکاہل کے سیاسی مسائل

۱۔ تمہید

۱۹۳۱ء کے بعد سے مشرق بعید میں جو کشمکش جاری ہے اس کی وجہ سے دنیا کی توجہ بحرالکاہل کی طرف زیادہ سے زیادہ مبذول ہوتی جارہی ہے۔ مشرق بعید میں سیاسی اور اقتصادی مفاد کے سلسلہ میں، جاپان، چین، روس، برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے نام ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ان ممالک کا بحرالکاہل کی سیاست میں بہت بڑا حصہ ہے، ہم دیکھیں گے کہ بحرالکاہل کی سیاسی کشمکش میں چین اور بحرالکاہل کے ایشیائی ممالک پر تجارتی اقتدار کی کوشش پنہاں ہے، برطانیہ، ریاستہائے متحدہ امریکہ، فرانس اور ہالینڈا اپنے رسوخ اور مملکت کو بچانے کی فکر میں ہیں، چین میں قومی جذبات کی بیداری کے ساتھ ساتھ خارجی حکومتوں کے اثرات اور حقوق سے نجات حاصل کرنے کی جدوجہد نظر آتی ہے، یہ صحیح ہے کہ فی الحال چین ایک ایشیائی حکومت سے برسرپیکار ہے لیکن رفتہ رفتہ چین خواب غفلت سے پوری طرح بیدار ہو جائے گا، اس وقت جاپان کی طرح اور دوسرے ممالک سے بھی مخلصی حاصل کرنے میں چین کوئی امتیاز نہیں کرے گا، جاپان کی سرگرمیاں اس وقت بہت ممتاز ہیں، وہ ایشیا میں سب سے

زیادہ طاقتور حکومت ہے اور مشرق کے تمام ممالک میں بیداری کی روح پھونکنے کا دعویٰ کرتا ہے، جاپان اعلان کر چکا ہے کہ ایشیار کے ممالک صرف ایشیار کے لئے ہیں اور مغرب کی قوموں کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ایشیار کی اقوام کو اقتصادی اور سیاسی حیثیت سے غلام بنا کر رکھیں، جہاں تک لفظی اعلان کا تعلق ہے، جاپان کا یہ ارادہ ٹھیک تھا اور اس بنار پر ایشیار کے ممالک میں جاپان کے ہمدرد پائے جائیں گے۔ لیکن عملی میدان میں جاپان اُسی سبق کو دہرا رہا ہے جو اس نے مغرب سے سیکھا، بظاہر مانچوکو کی حکومت آزاد ہے۔ لیکن بیرونی پالیسی اور تجارتی حقوق کے لحاظ سے جاپان کے ماتحت ہے، چین کی حکومت کو ختم کر دینے کی کوشش نے جاپان کے حقیقی ارادوں کو پوری طرح واضح کر دیا اور ایشیار کی تمام قومیں چین کے معاملہ میں جاپان کی مخالف ہوتی جا رہی ہیں۔ جاپان ظاہر کر چکا ہے کہ وہ مشرق میں اپنے زیر اقتدار حکومتیں قائم کرنا چاہتا ہے۔ جس طرح مانچوکو میں برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ کی تجارت کو نقصان پہنچا، اسی طرح شمالی چینی ہند میں بھی اُن کی تجارت میں کمی واقع ہوگئی، دراصل بحرالکاہل میں سیاسی کشمکش ایک مثلث کے اطراف ہے جس میں ایک طرف چین اپنی بقا کے لئے کوشاں ہے، دوسری طرف برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ اور خارجی ممالک اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے پریشان ہیں اور تیسری جانب جاپان نبرد آزما ہے کہ اِن تمام قوموں کو علیحدہ کر کے چین کے سیاہ و سفید کا مالک بن جائے۔

بحرالکاہل کے سیاسی مسائل کا ذکر کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے

کہ اس کے جغرافیائی حالات پر روشنی ڈالی جائے تاکہ بحرالکاہل کے مختلف حصوں کی اقتصادی اور حربی اہمیت کا اندازہ ہو سکے اور سیاسی مسائل کی پیچیدگی کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ جغرافیائی حالات پر بحث کرنے کے بعد ہم ہر ملک کے سیاسی معاملات پر علیحدہ علیحدہ تاریخی روشنی ڈالیں گے، اس طرح موجودہ کشمکش اور تاریخی واقعات میں جو رشتہ ہے وہ پوری طرح واضح ہو جائے گا۔ اس کے بعد ہم بحرالکاہل کے موجودہ سیاسی مسائل پر بحث کریں گے اور دیکھیں گے کہ مستقبل میں اس وسیع بحراعظم سے متعلق کیا کیا مشکلات پیش آنے والی ہیں۔

جغرافیائی حالات

دنیا کے نقشہ پر سرسری نظر ڈالیں تو ہماری نظریں ایک وسیع نیلگوں ٹکڑے پر رک جاتی ہیں۔ یہ تری کا وہ حصہ ہے جو بحرالکاہل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سمندر کا نام اس پرسکون کیفیت کو ظاہر کرتا ہے جو اکثر و بیشتر بحرالکاہل کے طول و عرض پر طاری رہتی ہے۔ یہاں نہ وہ طوفانی کیفیات پائی جاتی ہیں اور نہ اس کی موجوں میں وہ تلاطم برپا رہتا ہے جو دنیا کے بڑے سمندروں کا امتیاز خصوصی ہے، انگریزی اور دوسری زبانوں میں بھی اس سمندر کا نام اس سکون کو ظاہر کرتا ہے جو بالعموم اس پر طاری رہتا ہے، طوفان اور بحری رو ؤں کی تباہ کاریوں سے محفوظ اور پرسکون ہونے کی وجہ اس میں تجارتی اور مچھلی پکڑنے والے جہاز بے کھٹکے سفر کرتے ہیں، تاریخی اور سیاسی اعتبار سے بھی یہ سمندر بہت پر امن رہا ہے، یہاں ابھی تک کوئی قابل ذکر جنگ نہیں ہوئی جس میں جنگی جہازوں کی آمد و رفت بے پناہ سرعت کے ساتھ ہوئی ہو، جیسے بحر اوقیانوس، بحیرۂ روم اور بحیرۂ شمالی میں گذشتہ جنگ عظیم کے دوران

میں ہوئی تھی۔ اس کی گہرائیوں میں آب دوز کشتیوں کی تگ و دو نہیں ہوئی ہے۔ دنیا کی تباہ کن جنگوں میں بحرالکاہل کا نام نظر نہیں آتا اس لئے ہمیں تعجب نہیں ہوتا جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان، یورپ اور دوسرے ممالک میں بحرالکاہل کی اقتصادی اور سیاسی اہمیت کا پورا اندازہ نہیں ہوا۔

ہم دیکھیں گے کہ اقتصادی اور سیاسی حالات کی بنا پر یہ سمندر بہت اہمیت رکھتا ہے اور ضرورت ہے کہ بحرالکاہل کے مسائل کا مطالعہ کیا جائے۔ بحرالکاہل کے ایک طرف نئی دنیا (شمالی اور جنوبی امریکہ) اور دوسری طرف پرانی دنیا (ایشیا) ہے اور جنوب کی جانب تقریباً وسط میں آسٹریلیا واقع ہے۔ یہ دنیا کا سب سے بڑا سمندر ہے جو کہ رقبہ میں کرۂ ارض کی خشکی کے برابر ہے، اس کی وسعت کا کچھ اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ شمالاً جنوباً ۶۰ درجہ عرض البلد شمالی اور ۴۵ درجہ عرض البلد جنوبی کے درمیان واقع ہے اور شرقاً غرباً ۸۰ درجہ طول البلد غربی اور ۱۲۰ درجہ طول البلد شرقی کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ بحرالکاہل مشرق و مغرب کو ملاتا ہے اور جدا بھی کرتا ہے اس کی تشریح یہ ہے کہ جغرافیہ دانوں نے سہولت کے خیال سے خط تاریخ کے لئے اس سمندر کو منتخب کیا ہے۔ خط تاریخ وہ فرضی خط ہے جس کی دائیں طرف ایک تاریخ زیادہ اور بائیں طرف ایک تاریخ کم ہوتی ہے، مثلاً اس خط کی دائیں طرف اگر ۲۰ نومبر ۱۹۳۹ء ہو تو بائیں طرف ۱۹ نومبر ۱۹۳۹ء ہوگا، اس لحاظ سے اس خط کی دائیں طرف مشرق اور بائیں طرف مغرب ہے یہ خط ۱۸۰ درجہ طول البلد کے ساتھ ساتھ گذرتا ہے۔ اس طرح یہ سمندر مشرق اور مغرب کو ملاتا بھی ہے

اور جدا بھی کرتا ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ پانی کی سب سے زیادہ گہرائی بھی
اسی سمندر میں ہے اور سب سے کم گہرائی بھی۔ گہرا سمندر ہونے کی وجہ سے
بڑے بڑے جہازوں کی آمدورفت میں سہولت ہوتی ہے اور کم گہرے سمند میں
مچھلیاں اور موتی بہت پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شمالی امریکہ کے مغربی
ساحل اور براعظم ایشیا کے مشرقی ساحل پر کئی مقامات مچھلیاں پکڑنے کی صنعت
میں ترقی کر رہے ہیں۔ براعظم ایشیا اور جاپان کے درمیان جو حصہ واقع ہے اُس
میں کثرت سے مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں جو نہ صرف وہاں کے لوگوں کے لئے کافی ہوتی
ہیں بلکہ غیر ممالک کو بھی بھیجی جاتی ہیں۔

ساحلی ممالک

یہ بحراعظم تقریباً تین طرف خشکی سے گھرا ہوا ہے۔ ایک طرف
شمالی اور جنوبی امریکہ کا مغربی ساحل شمالاً جنوباً پھیلا
ہوا ہے اور دوسری طرف براعظم ایشیا، کا مشرقی ساحل جنوب مغرب میں براعظم
آسٹریلیا واقع ہے۔ شمالی امریکہ کے مغربی ساحل کا شمالی حصہ جزیرہ نما الاسکا سے
ونکوور کی بندرگاہ تک زیادہ کارآمد اور مفید نہیں ہے کیونکہ انتہائی شمال میں واقع
ہونے کی وجہ سے یہاں سخت سردی پڑتی ہے اور سمندر تقریباً آٹھ مہینے منجمد
رہتا ہے، اس کے علاوہ یہ بے حد دندانہ دار (Fjord structure)
ہے جس کی وجہ سے جہازوں کی آمدورفت میں دقتیں پیش آتی ہیں۔ ونکوور کے جنوب
کا حصہ بھی زیادہ کارآمد نہیں ہے کیونکہ یہ ساحل راکی پہاڑ (Rocky
Mountains) کی سخت چٹانوں سے بنا ہوا ہے۔ مغربی ساحل کا یہ حصہ
کم کٹا پھٹا، عمودی اور کم گہرا ہے۔ اس لئے یہاں نہ تو کوئی عمدہ محفوظ بندرگاہ ہے،

اور وسیع خلیج۔ صرف ایک مشہور اور مفید خلیج فرانسسکو ہے جس پر سین فرانسسکو کی مشہور و معروف بندرگاہ واقع ہے۔ اس سے ذرا جنوب میں خلیج کیلی فورنیا ہے لیکن یہ تنگ اور کم گہری ہونے کی وجہ سے زیادہ فائدہ مند ثابت نہیں ہوئی۔ میکسیکو کے ساحل پر بھی کوئی عمدہ بندرگاہ نہیں ہے۔ جنوب کی طرف آگے بڑھنے پر ہم نہر پناما پہنچ جاتے ہیں۔ یہ نہر شمالی اور جنوبی امریکہ کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے اور دنیا کے دو بڑے سمندروں بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل کو ملاتی ہے۔ نہر پناما کی تجارتی اور سیاسی اہمیت کا مفصل ذکر آگے کیا جائے گا۔

جنوبی امریکہ کا مغربی ساحل نہر پناما سے لے کر کیپ ہارن (Cape Horn) تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ پورا ساحل پہاڑی چٹانوں سے بنا ہے اس لئے سخت اور عمودی ہے اس کے قریب جزیرے نہیں ہیں اور ساحل کم کٹا پھٹا ہے، یہاں عمدہ بندرگاہیں بہت کم ہیں صرف دو بندرگاہیں والپریسو (Valparaiso) اور کالڈیرا (Caldera) قابل ذکر ہیں۔ ساحل چلی سے لے کر کیپ ہارن تک بہت سے جزیرے ہیں لیکن ساحل بہت زیادہ شکستہ اور دندانہ دار ہے، اس کے علاوہ سمندر بے حد طوفانی رہتا ہے اس لئے جہازرانی میں بہت دقتیں پیش آتی ہیں یہاں کوئی قابل ذکر بندرگاہ نہیں ہے۔

ایشیا کا مشرقی ساحل بہت عمدہ اور کٹا پھٹا ہے۔ اس کے برابر شمال سے جنوب تک جزیروں کی ایک لمبی قطار ہے جو ساحل اور بندرگاہوں کو

سمندری ہواؤں سے محفوظ رکھتی ہے۔ ان جزیروں کا سلسلہ کم چٹکا سے شروع ہو کر آسٹریلیا کے شمالی ساحل کے ساتھ ساتھ نیوگنی سے جا ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں بے شمار چھوٹے چھوٹے جزیرے شامل ہیں، جاپان، فارموسا، فلپائن، بورنیو، سیلبنز وغیرہ بہت اہم اور مشہور ہیں۔ ان میں جاپان سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ ایشیا کے ساحل کا بہت بڑا حصہ آبنائے بیرنگ سے ولاڈی واسٹک [illegible] تک سخت سردی کی وجہ سے تقریباً تمام سال منجمد رہتا ہے اس لئے آمدورفت کے اعتبار سے قطعی بیکار ہے۔ اس کے جنوب میں بہت اچھی بندرگاہیں پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے اس علاقہ کی تجارتی اور حربی اہمیت بڑھ گئی ہے۔

بحرالکاہل کے جزیرے بحرالکاہل میں چھوٹے بڑے بے شمار جزیرے ہیں۔ ان میں سے اکثر تجارتی، اقتصادی اور حربی اہمیت کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔ اس لئے چند نہایت اہم جزیروں کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ان جزائر میں دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ اور سب سے چھوٹا براعظم آسٹریلیا بھی ہے جو خط استوا کے جنوب میں دس اور چالیس درجہ عرض البلد جنوبی کے درمیان واقع ہے۔ اس کا کل رقبہ تیس لاکھ مربع میل ہے یہ براعظم ابھی حال ہی میں دریافت ہوا۔ یہاں سونے کی کانیں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔ دوسرا قابل ذکر جزیرہ نیوزی لینڈ ہے جو آسٹریلیا کے جنوب مغرب میں ۳۵ درجہ اور ۴۷ درجہ عرض البلد جنوبی کے درمیان واقع ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً انگلستان کے رقبہ کے برابر ہے۔ ان جزیروں کا ساحل

کی پڑتا ہے اس لئے یہاں چند عمدہ بندرگاہیں واقع ہیں۔ ان جزیروں کے علاوہ کئی ہزار چھوٹے جزیرے ہیں جو نقشہ پر بہت قریب نظر آتے ہیں مگر دراصل ایک دوسرے سے کافی فاصلہ پر واقع ہیں۔ بحرالکاہل کی وسعت کا خیال کرتے ہوئے ان جزیروں کی وجہ سے آمدورفت میں بہت سہولت ہو جاتی ہے۔ بحری اور ہوائی راستوں کے نقطۂ نظر سے جزائر ہوائی اور جزائر فجی بہت اہم ہیں۔

بحرالکاہل کے وسیع طول و عرض نے جو تمام دنیا کے نصف حصہ کو محیط کئے ہوئے ہے، انسانی آمدورفت اور میل جول میں بہت رکاوٹیں پیدا کی ہیں۔ چند سو سال قبل جب فن جہازرانی ابتدائی منازل میں تھا۔ بحرالکاہل کی وسعتوں میں بادبانی جہاز خطرات کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، بحرالکاہل کی سیاسی تاریخ سولھویں صدی سے شروع ہوتی ہے جب دخانی جہازوں کے ذریعہ بے خطرے کے بحری سفر ممکن ہوا، یورپ سے آمدورفت اور تجارت کا سلسلہ شروع ہوا اور بحرالکاہل کے ممالک میں نوآبادیات قائم ہونا شروع ہوئیں۔ اس سے قبل وحشی قسم کے لوگ بحرالکاہل کے دورافتادہ جزیروں میں آباد تھے۔ ان لوگوں کی تاریخ، نسل، عادات وغیرہ کے بارے میں بادثوق ذریعہ سے کچھ کہنا بہت مشکل ہے لیکن آثار قدیمہ اور موجودہ حالات کو دیکھ کر نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔ زمانۂ قدیم میں ایشیا سے امریکہ پہنچنے کا صرف ایک راستہ تھا جو آبنائے بیرنگ سے گذرتا ہے۔ آبنائے بیرنگ بحیرۂ منجمد شمالی اور بحرالکاہل کو جدا کرتی ہے۔ اس کی چوڑائی صرف ۲۶ میل ہے اور اس کا عبور کرنا بہت آسان ہے۔ یہ بات قریب قریب یقین کے درجہ کو پہنچ چکی ہے کہ امریکہ میں پہلی

آبادی براعظم ایشیا سے آبنائے بیرنگ کے راستے سے پہنچی۔ بحرالکاہل میں کیورو سیو (Kuro Siwo) اور دوسری بحری رو ین جاپان کے ساحل کے قریب سے شمال کی طرف بڑھتی ہیں اور پھر امریکہ کے شمالی ساحل کے قریب پہنچ کر اپنا رُخ بدلتی ہیں، کہا جاتا ہے کہ جاپانی اور چینی کشتیاں اس رو میں بہ کر ان جزیروں میں پہنچیں جو امریکہ کے شمال مغرب میں واقع ہیں، لیکن درمیان میں استوائی خطہ ہے جہاں ہوائیں قریب قریب ساکت رہتی ہیں اور بعض خطے ایسے بھی ہیں جہاں ہواؤں کے رخ بدلتے رہتے ہیں ان وجوہ کی بنا پر یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ بادبانی کشتیاں ایشیا کے ساحل سے امریکہ کی طرف ان ہواؤں کی مدد سے گئی ہوں۔ ان کا بھی امکان تھا کہ امریکہ اور ایشیا کے درمیان دو راستوں کے علاوہ یہ بحری آمدورفت ایک تیسرے سے راستہ سے ہوتی۔ بحرالکاہل جنوبی میں ۲۰ درجہ اور ۴۰ درجہ عرض البلد جنوبی کا علاقہ ایسا ہے کہ جہاں امریکہ سے ایشیا کی طرف بادبانی کشتیاں پہنچ سکتی ہیں۔ یہ راستہ تجارت کے حسب حال بھی تھا لیکن اس وقت آسٹریلیا اور اطراف کے جزیرے، ایسے لوگوں سے آباد تھے جو فن جہاز رانی سے بے بہرہ تھے اور جزیرہ نیوزی لینڈ میں آبادی کا پتہ بھی نہیں تھا، قیاس کیا جاتا ہے کہ ماوری قوم کے لوگ کشتیوں میں جنوبی امریکہ کے ساحل تک پہنچے تھے کیونکہ وہاں چند آثار قدیمہ ایسے دریافت ہوئے ہیں جو ماوری قوم کے ناموں اور اشیاء سے بہت مشابہت رکھتے ہیں۔

بحرالکاہل کے بے شمار چھوٹے چھوٹے جزیرے یا تو غیرآباد ہیں یا نیم وحشی باشندوں سے آباد ہیں، غیرآباد جزیروں میں فاصلہ اور آمدورفت کی

مشکلات کی وجہ سے نوآبادی قائم کرنا بہت مشکل ہے۔ صرف ان جزیروں کو آباد کیا جا رہا ہے جو بحری اور ہوائی آمد و رفت میں قیام اور کوئلہ ڈپوؤں کے لئے اسٹیشن کے طور پر کارآمد ثابت ہو سکیں، بالخصوص ان جزیروں کو آباد کرنا تو بہت مشکل ہے جو بحرالکاہل کے مشرقی حصہ میں واقع ہیں۔ اٹھارھویں صدی کے جہازراں جنھوں نے سب سے پہلے بحرالکاہل کی وسعت کا جائزہ لیا، کئی جزیروں میں پہنچے اور وہاں کے باشندوں، اُن کی زبان، عادات و اطوار اور رہنے سہنے کے طریقوں کا مشاہدہ کیا۔ انھوں نے دیکھا کہ ان دور افتادہ جزیروں کے باشندے آپس میں نسل اور عادات و اطوار کے اعتبار سے کئی چیزوں میں مشابہت رکھتے ہیں۔ اس مشابہت کی وجہ سے غالباً جہازرانوں نے ان جزائر کے باشندوں کو پالی نیشین (Polynesians) کہنا شروع کیا۔ چنانچہ یہ باشندے اسی نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ ان جزیروں سے گذر کر جب یہ جہازراں مغرب کی طرف بحرالکاہل میں بڑھے تو انھیں اور جزیرے ملے جن میں سے چند مشہور اور اہم جزیروں کے نام ملانیشیا (Melanesia) پاپوآسیا (Papuasia) اور انڈونیشیا (Indonesia) ہیں۔ انھوں نے دیکھا کہ یہاں بھی قریب قریب وہی زبان بولی جاتی ہے صرف لب و لہجہ میں فرق ہے، اس زبان کے الفاظ بہت محدود ہیں اور باشندوں کے عادات اور معاشرت سے بھی ان کے نیم وحشی ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ ان جزیروں کی زبان اور جزائر پالی نیشیا (Polynesia) کی زبان بہت مشابہ ہے اور باشندوں میں بھی کئی اعتبار سے مشابہت معلوم ہوتی ہے۔ ان مشابہات

کی بنا پر ان جزائر کی زبان کا نام ملایو پالی نیشین (Malayo Polynesian) رکھا گیا۔

بحر الکاہل کی اہمیت

دخانی کشتیوں اور بڑے جہازوں کے وجود میں آنے سے بحر الکاہل میں سفر کے امکانات بڑھنے گئے۔ یورپ اور بحر الکاہل کے ممالک کے درمیان تجارتی اور سیاسی تعلقات بڑھنے لگے کیونکہ مشرق میں تجارت کی وسعت کا اندازہ مغرب کی قوموں کو پوری طرح ہو گیا۔ یہ آمد و رفت بحر الکاہل کے موجودہ سیاسی اور اقتصادی مسائل کی ابتدا تھی۔ اس دور کے شروع ہونے کے بعد دنیا کے دو براعظموں میں تعلقات دن بدن بڑھنے لگے۔ آسٹریلیا اور کیلی فورنیا میں سونا دریافت ہوا اور اس کے ساتھ ان علاقوں میں آبادی بڑھنے لگی۔ امریکہ میں ریلوں کی ترقی ہوئی اور بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل کے ساحل ایک دوسرے سے ریلوں کے ذریعہ مل گئے۔ کیلی فورنیا اور امریکہ کے مغربی ساحل کی اہمیت برابر بڑھتی گئی، آمد و رفت کی آسانی نے امریکہ کا رشتہ بحر الکاہل سے پوری طرح قائم کر دیا، اسی طرح آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے مشرقی علاقوں میں آبادی بڑھنے لگی اور بحر الکاہل کی اہمیت کا اندازہ ان جزیروں کو ہونے لگا، کیونکہ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کا رشتہ ایشیا کے ساتھ بڑھتا گیا اور تجارتی آمد و رفت میں ترقی ہوئی۔

اس کے بعد ہم انیسویں صدی میں قدم رکھتے ہیں۔ مشرق میں ایک نئی حکومت نے زور پکڑنا شروع کیا، اس کی تجارت اور صنعت و حرفت

کی غیر معمولی ترقی نے دنیا کو متحیر کر دیا۔ اُس کی آبادی بڑھنے لگی، اس کے اپنے
مال کی کھپت اور اشیائے خام کے لئے نئی منڈیوں کی تلاش ہوئی، اس بڑھتی
ہوئی قوم کی مسلسل سرگرمیوں میں جاپان اور چین کی موجودہ جنگ ایک کڑی
ہے جاپان کے اقتدار نے بحرالکاہل کے مسائل میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا
ہے اس مقالہ میں ہم ان تمام مسائل کا مفصل ذکر کریں گے۔

ہم جانتے ہیں کہ دنیا کے تہذیب و تمدن کی تشکیل میں ندیوں، سمندروں
اور پہاڑوں نے بہت حصّہ لیا ہے، ندیوں سے زمین سیراب ہوتی ہے اور
آمد و رفت میں آسانی ہوتی ہے، گذشتہ زمانہ میں جب دخانی کشتیاں ایجاد
نہیں ہوئی تھیں، سمندر ملکوں اور قوموں کو جدا کرتے تھے، پہاڑ مختلف ممالک
کے حدود قائم کرتے تھے اور زمانۂ قدیم میں غنیم سے محفوظ رہنے کا ذریعہ خیال
کئے جاتے تھے، دنیا کی اکثر قدیم تہذیبوں نے بحیرۂ روم کے اطراف کے ممالک
میں جنم لیا۔ موجودہ دور میں بحر اوقیانوس تہذیب کا گہوارہ بنا ہوا ہے۔ مستقبل
کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ بحرالکاہل بڑی حد تک تہذیب و تجارت کا مرکز ہوگا

یورپ کے سیاسی حلقوں میں دو غلط فہمیاں بہت عام تھیں۔ ایک یہ کہ
بحرالکاہل کے سیاسی واقعات صرف بحرالکاہل کے ممالک تک محدود ہیں اور
ان کا یورپ یا اور دوسرے ممالک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دوسرے یہ
کہ بحرالکاہل کے ممالک کا آپس میں سیاسی اور اقتصادی معاملات میں
گہرا تعلق نہیں ہے، ان غلط فہمیوں کی وجہ سے یورپ کے سیاسی رہنما
بحرالکاہل کے معاملات میں دلچسپی لینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ لیکن گذشتہ

میں سال کے پے درپے واقعات اور مشرق کی بیداری نے یورپ کے
سیاست دانوں کو مجبور کر دیا کہ وہ بحرالکاہل کے مسائل میں اپنے تغافل
اور بے تعلقی کو خیرباد کہیں، اس کے باوجود ہندوستان، یورپ اور چند
اور ممالک میں یہ خیال ابھی تک عام ہے کہ چین اور جاپان کی جنگ ایشیا ر
کا قضیہ ہے یا یہ کہ ریاستہائے متحدہ اور جاپان کی اقتصادی کشمکش سے وہ
قطعی بے تعلق ہیں، ممکن ہے ٹینٹسن (Tientsin) میں انگریزوں
کی تذلیل سے یہ خیال کسی حد تک دور ہو گیا ہو لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ
ہندوستان اور یورپ بحرالکاہل کے مسائل کی اہمیت سے پوری طرح
باخبر نہیں ہیں، ریاستہائے متحدہ امریکہ میں بحرالکاہل کی سیاسیات اور تجارتی
مسائل کے مطالعہ کے لئے کئی ادارے قائم کئے گئے ہیں جو رائے عامہ کو گمراہ
ہونے سے بچانے کی ہر طرح کوشش کرتے ہیں۔

بحرالکاہل اور بحراوقیانوس کا مقابلہ ہندوستان کی اس بے خبری اور
بے تعلقی کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی
موجودہ تجارت اور سیاسیات کا بحراوقیانوس سے گہرا تعلق ہے، ہم اس
سے انکار نہیں کرتے کہ اس زمانہ میں بحراوقیانوس کی اہمیت ہر اعتبار سے بحرالکاہل
کی نسبت بہت زیادہ ہے، مگر تجارتی اعداد و شمار اور سیاسی مسائل ظاہر
کرتے ہیں کہ ایک طرف بحراوقیانوس کی تجارت اور اہمیت میں بتدریج
انحطاط ہو رہا ہے اور دوسری طرف بحرالکاہل کی تجارت ترقی کر رہی ہے
اور اس کی سیاسی اہمیت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے، دنیا کی تجارت کا

تقریباً ½ حصہ بحر اوقیانوس سے گذرتا ہے، جنگ عظیم کے بعد بحر اوقیانوس سے گذرنے والی تجارت میں نمایاں فرق نہیں ہوا۔ شمال مشرقی یورپ اور شمالی امریکہ کا مشرقی علاقہ بحر اوقیانوس کی تجارت کے قریب قریب پوری طرح مالک ہیں، انیسویں صدی میں دنیا کے اہم سیاسی اور اقتصادی مسائل بحر اوقیانوس کے دو ساحلوں پر مرتب ہوتے رہے یعنی مغربی یورپ اور مشرقی امریکہ۔ انیسویں صدی میں دنیا کی تمام تجارت کا تقریباً تین چوتھائی حصہ بحر اوقیانوس سے گذرا کیونکہ یورپ کی اقوام کے لئے امریکہ کا تمام ساحلی علاقہ کھلا ہوا تھا، شمالی علاقہ کے اس زرخیز حصہ میں زراعتی، صنعتی اور تجارتی ترقی بہت سرعت سے ہوئی، یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک یورپ کو خیر باد کہنے کے بعد یورپ کے باشندوں نے نئے وطن میں اپنی محنت و جانفشانی اور زمین کی زرخیزی سے فائدہ اٹھا کر ایک دوسرے یورپ کی بنیاد ڈالی، انیسویں صدی میں یورپ کی تجارت دنیا کے تمام خطوں سے قائم ہو رہی تھی، چنانچہ افریقہ بھی یورپ کی برکات سے محروم نہیں رہا، یورپ کی حکومتوں نے افریقہ میں بھی اپنی روایات کو قائم رکھا، تجارت سے ابتدا کی اور ملک گیری پر اختتام کیا۔ ہندوستان، چین اور ایشیا کے ممالک اور جزائر میں یورپ کی اقوام پہنچ چکی تھیں، اس طرح بحر ہند کے راستے یورپ کا سیلاب بحر الکاہل کے ممالک میں پہنچا۔ امریکہ میں آبادی مشرق سے مغرب کی طرف بڑھتی گئی اور امریکہ کا اثر بھی بحر الکاہل کی پُر امن اور پُرسکوت فضا پر محسوس ہونے لگا۔

بحر الکاہل میں یورپ کی اقوام دو راستوں سے پہنچیں۔ ایک بحر ہند

میں ہوکر اور دوسرے امریکہ کے ذریعہ۔ لیکن امریکہ میں ریاستہائے متحدہ کی حکومت کے قیام کے بعد یورپ کے ممالک اور امریکہ میں بہت کم اتحادِ عمل باقی رہا۔ ریاستہائے متحدہ نے اپنی بیرونی پالیسی کو براعظم امریکہ کے حالات کے مدنظر مرتب کیا، ایسے واقعات موجود ہیں جو ریاستہائے متحدہ اور یورپ کے ممالک کی مخالفت کو پوری طرح واضح کرتے ہیں۔ یورپ کی سفید اقوام بحرالکاہل کے ساحل پر ایک تیسرے راستہ سے بھی پہنچیں اور اس کا ذکر بہت ضروری ہے۔ روس کی حکومت یورپ کی حدود سے نکل کر مشرق کی طرف بڑھتی گئی اور بالآخر پورا سائبریا روس کی حکومت میں شامل ہوگیا، روس کے لئے یورپ میں کھلا سمندر بہت کم ہے۔ شمال میں بحر منجمد شمالی ہے جو قریب بیکار ہے۔ اور آمد و رفت کے لئے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ ان وجوہات کی بنا پر ہم حکومت روس کی اس جدوجہد کو سمجھ سکتے ہیں جو اس نے بحرالکاہل پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے کی ہے۔

آئندہ صفحات میں ہم ہر ملک کی کشمکش کا تفصیلی ذکر کریں گے۔ اس مختصر تمہید سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یورپ کے ممالک، امریکہ اور ایشیا، بحرالکاہل کی طرف زیادہ سے زیادہ مائل ہوتے گئے اور بحرالکاہل کی موجودہ گتھیاں یورپ اور امریکہ کی مداخلت کے بعد ظہور میں آئیں۔

ہم نے بحرالکاہل اور بحر اوقیانوس کی اقتصادی اور سیاسی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ دنیا کے مستقبل کی تشکیل بحرالکاہل کے اطراف ہو رہی ہے، ہم اس دعوے کو تجارتی اور جغرافیائی اعداد و شمار

کی روشنی میں دیکھیں گے، اس میں شک نہیں کہ دنیا کی تمام تجارت کا نصف حصہ یورپ کے ممالک سے متعلق ہے، تمام دنیا کے تجارتی جہازوں کا دو تہائی حصہ یورپ کے ممالک میں رجسٹرڈ ہے اور دنیا کی تجارت کا ایک بڑا حصہ مشرقی امریکہ کی ملکیت ہے، لیکن مندرجہ ذیل اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ یورپ، ایشیار اور آسٹریلیا کی تجارت سنہ ۱۹۰۰ء اور سنہ ۱۹۳۲ء کے درمیان بحر الکاہل کی طرف کھنچتی گئی۔

براعظم یورپ، ایشیا اور آسٹریلیا کا دنیا کی تجارت میں فیصدی حصہ

سال	یورپ	ایشیار	آسٹریلیا
سنہ ۱۹۰۰ء	۶۵/۹	۵/۹	۳/۲
سنہ ۱۹۱۳ء جنگ سے قبل	۶۱/۲	۴/۱۱	۵/۲
سنہ ۱۹۳۲ء	۵۶/۳	۱۵/۹	۷/۲

یہ اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ یورپ کی تجارت بتدریج کم ہوتی جا رہی ہے اور اس کے مقابلہ میں ایشیا اور آسٹریلیا کی تجارت بڑھتی جا رہی ہے چونکہ ایشیار اور آسٹریلیا کی تجارت کا دار و مدار زیادہ تر بحر الکاہل پر ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بحر الکاہل کی تجارت میں ترقی ہو رہی ہے۔

اگر بحر اوقیانوس کے ممالک مثلاً برطانیہ، ناروے، بلجیم فرانس اور جرمنی کی تجارت کا مقابلہ بحر الکاہل کے ممالک کی تجارت سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ سنہ ۱۹۱۳ء اور سنہ ۱۹۲۹ء کے درمیان

ان تمام ممالک کی تجارت میں ترقی ہوئی، لیکن بحرالکاہل کے ممالک کی فیصدی ترقی بحراوقیانوس کے ممالک کی فیصدی ترقی سے زیادہ ہے۔

بحراوقیانوس اور بحرالکاہل کے ممالک کی تجارت کے اعداد و شمار

(۱) بحراوقیانوس کے ممالک

	۱۹۱۳ء	۱۹۲۹ء	۱۹۲۹ء میں ۱۹۱۳ء کی نسبت فیصدی ترقی
برطانیہ اور شمالی آئرلینڈ	۵ر۸ (ارب ڈالر)	۹ر۰ (ارب ڈالر)	۵۵ر۲
ناروے	ر۲	ر۵	۱۰۵ر۰
بلجیم	۱ر۶	۱ر۹	۱۸ر۷
فرانس	۳ر۰	۴ر۲	۴۰ر۰
جرمنی	۵ر۰	۶ر۴	۲۸ر۰
ریاستہائے متحدہ امریکہ (صرف بحراوقیانوس کی تجارت)	۳ر۸	۷ر۶	۱۰۰ر۰
میزان	۱۹ر۴	۲۹ر۶	۵۲ر۶

(۲) بحرالکاہل کے ممالک

چلی	۳ر (ارب ڈالر)	۵ر (ارب ڈالر)	۶۶ر۶
پیرو	۰۷ر۰	۲ر	۱۸۵ر۷
ریاستہائے متحدہ امریکہ (صرف بحرالکاہل کی تجارت)	۲ر	۱ر۹	۲۷۵ر۰
میزان	۳ر۲	۷ر۹	۱۴۶ر۸
ریاستہائے متحدہ کی میزان اعداد و شمار کے بموجب	۲ر۸	۶ر۰	۱۱۴ر۲

بحراوقیانوس میں ۱۹۱۳ء کے مقابلہ میں ۱۹۲۹ء کی تجارت ۲ر۶۵ فیصدی بڑھ گئی لیکن اسی وقفہ میں بحرالکاہل کی تجارت ۱۴۶ر۸ فی صدی بڑھی۔

اگر بحراوقیانوس اور بحرالکاہل کے ممالک کی تجارت کا دنیا کی تجارت سے ۱۹۱۳ء اور ۱۹۲۹ء کے درمیان مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ تجارت میں بحراوقیانوس کا حصہ سال بہ سال کم ہوتا جا رہا ہے اور بحرالکاہل کا حصہ بڑھ رہا ہے۔

دنیا کی تجارت میں بحرالکاہل و بحراوقیانوس کے ممالک کا فیصدی تناسب

(۱) بحراوقیانوس کے ممالک

ملک	۱۹۱۳ء	۱۹۲۹ء
برطانیہ اور شمالی آئرلینڈ	۱۵ر۲۴	۱۳ر۰۴

ناروے	۶۵ر	۷۰ر
بلجیم	۲۲ر۴	۳۷ر۲
فرانس	۰۸ر۷	۹۱ر۶
جرمنی	۲۱ر۱۳	۲۲ر۹
ریاستہائے متحدہ (بحراوقیانوس کی تجارت)	۳۰ر۱۰	۷۰ر۱۱
میزان	۶۰ر۵۱	۷۰ر۴۳

(۲) بحرالکاہل کے ممالک

ملک	سنہ ۱۹۱۳ء	سنہ ۱۹۲۹ء
جاپان	۹۷ر۱	۷۸ر۲
چین معہ مانچوریا	۸۸ر۱	۳۱ر۲
آسٹریلیا	۹۹ر۱	۹۸ر۱
نیوزی لینڈ	۴۵ر	۲۷ر
چلی	۱۷ر	۰۷ر
پیرو	۹۱ر	۰۳ر
ریاستہائے متحدہ (بحرالکاہل کی تجارت)	۲۱ر۱	۶۷ر۲
میزان	۲۲ر۸	۷۳ر۱۱

ہم چند اور اعداد و شمار ناظرین کی دلچسپی کے لئے پیش کرتے ہیں۔ ان

اعداد وشمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۱۳ء اور ۱۹۳۲ء کے درمیان تجارتی جہازوں کی آمد ورفت بحر الکاہل میں بحر اوقیانوس کی بہ نسبت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔ مندرجہ ذیل اعداد وشمار تجارتی جہازوں کی باربرداری کی گنجائش (Tonnage) ظاہر کرتے ہیں:-

(۱) بحر اوقیانوس کے ممالک (ہزار ٹن)

	۳۰ جون ۱۹۱۳ء	۳۰ جون ۱۹۳۲ء	فیصدی ترقی
برطانیہ اور شمالی آئرلینڈ	۱۸٬۲۷۴ (ہزار ٹن)	۱۹٬۵۶۲ (ہزار ٹن)	۷٫۱
فرانس	۱۷۹۲ "	۳۵۰۷ "	۱۰۵٫۸
ہالینڈ	۱۲۸۷ "	۲۹۵۷ "	۱۳۰٫۷
ناروے	۱۸۷۱ "	۴۱۶۴ "	۱۲۱٫۰
میزان	۲۳۲۲۵	۳۰۱۹۰	۳۰٫۱

امریکہ کا مشرقی ساحل بحر الکاہل سے بہت دور ہے۔ نہر پناما کی وجہ سے بحر الکاہل اور بحر اوقیانوس مل گئے ہیں اور مشرقی ساحل کی تجارت بحر الکاہل کے ممالک کے ساتھ آسان ہو گئی ہے۔ خیال کیا جاتا تھا کہ نہر پناما کی تعمیر سے امریکہ کے مغربی ساحل (بحر الکاہل کے ساحل) کی تجارت بحر اوقیانوس کے ممالک سے بڑھ جائے گی۔ لیکن تجارتی اعداد وشمار ایک مختلف حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں۔ نہر پناما سے گذرنے والے جہازوں کی تعداد اور ان کا وزن ۱۹۱۳ء اور ۱۹۳۲ء کے درمیان تقریباً دوسو فیصدی بڑھ

گیا ہے۔ اسی زمانہ کی نہر سویز سے گذرنے والی تجارت کے اعداد و شمار کا مقابلہ بہت دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔ یہ واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نہر سویز یورپ کے ممالک کو بحر ہند اور بحر الکاہل سے ملاتی ہے۔ نہر سویز کی تجارت میں ترقی اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ بحر الکاہل کے ممالک کی تجارت میں بھی کسی حد تک ترقی ہوئی ہے۔ نہر سویز اور نہر پاناما کی تجارت کا مقابلہ نہر پاناما کی بڑھتی ہوئی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ موجودہ زمانہ میں نہر سویز کی تجارت نہر پاناما کی تجارت سے زیادہ ہے۔

	نہر سویز		نہر پاناما	
	جہازوں کی تعداد	ہزار ٹن	جہازوں کی تعداد	ہزار ٹن
۱۹۱۳	۴۹۷۴	۱۶۲۰۰	۱۰۷۵	۳۰۳۴
۱۹۳۲	۵۲۲۲	۲۳۵۱۴	۴۹۳۴	۱۸۱۴۸

اسی طرح بحر الکاہل کی بندرگاہوں کی تجارت کے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ دنیا کی تجارت کا مرکز بحر الکاہل میں منتقل ہو رہا ہے۔ سیاسیات عالم میں اقتصادی حالات فیصلہ کن ہوتے ہیں۔ فی زمانہ سیاسی کشمکش کے پیچھے اقتصادی جنگ چھپی ہوئی ہے۔ بحر الکاہل کے ممالک کی آبادی بڑھتی جا رہی ہے اور ان کے پاس اس آبادی کے رہنے سہنے کے لئے زمین اور کھانے پینے کے لئے کافی ضروری اشیاء موجود ہیں۔ دنیا کی تجارت کا رخ ہم نے دیکھا

کہ بحرالکاہل کی طرف ہے۔ ان حالات میں یہ نتیجہ نکالنا بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ بحرالکاہل کے ساتھ دنیا کا مستقبل وابستہ ہے، اس لئے بحرالکاہل کے سیاسی مسائل کی اہمیت بہت زیادہ ہے اور ان کا مطالعہ جس قدر دلچسپ ہے اس سے زیادہ دنیا کے مسائل کو پوری طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔

(۲) چین اور دورِ حاضر

جاپان اور چین کی موجودہ جنگ میں تمام دنیا کی ہمدردی چین کے ساتھ ہے۔ جاپان کے ایشیا پر اقتدار کے دعوے اور وسیع حلقۂ اثر کے قیام کی متواتر کوشش نے دنیا کی رائے عامہ کو جاپان کے خلاف کر دیا ہے۔ جاپان کی یہ قابلِ افسوس کوشش ہے کہ ایک آزاد قوم کی حریت کو سلب کر کے اس کی اقتصادی اور سیاسی پالیسی کو اپنے ہاتھ میں رکھے اور بلا شرکت غیرے چین کے وسیع معدنی اور زراعتی ذخیروں سے فائدہ اُٹھائے۔ جاپان کا مانچوریا میں ۱۹۳۱ء میں داخلہ اور اس کے بعد صوبہ جیہول پر زبردستی قبضہ اسی سلسلہ کی کڑیاں تھیں جسے جاپان مکمل کرنا چاہتا ہے۔ مانچوریا کو زیر اثر کرنے کے لئے جاپان کی کوشش عرصہ دراز سے جاری تھی اور تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ کم از کم ۱۸۹۶ء سے اس کے اسباب رونما ہونے لگے تھے۔ اس کے بعد مانچوریا کے متعلق ۱۹۰۵ء اور ۱۹۱۰ء کے درمیان جو مشکلات موجود ہوئیں وہ پیش خیمہ تھیں کہ اس علاقہ پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے فیصلہ کن ہتھیار ہوں اور محض گفت و شنید سے مانچوریا کا پیچیدہ مسئلہ حل نہیں ہو سکے گا۔ ۱۹۳۱ء کے واقعات دراصل بہانہ تھے کیونکہ جاپان سمجھ چکا تھا کہ مانچوریا پر قبضہ حاصل کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ چنانچہ جاپان نے سرعت سے کارروائی شروع کی اور تمام دنیا اور مجلس اقوام کی مخالفت کے باوجود مانچوریا پر قبضہ

بعد ایک نام نہاد آزاد حکومت قائم کر دی۔

چین کی موجودہ مشکلات کا ذکر کرنے سے پہلے اس کی تاریخ پر سرسری نظر ڈالنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چین کی تاریخ اور تہذیب دنیا میں قدیم ترین کہی جا سکتی ہے۔ حضرت عیسیٰ سے کئی سو سال قبل چین ایک مہذب خوش حال اور زبردست قوم تھی۔ چین کے طاقتور حکمرانوں کے عہد حکومت میں سلطنت چین کی وسعت بڑھتی گئی، لیکن کمزور بادشاہوں کے دور میں وسطی ایشیا سے حملہ آور چین کو ہمیشہ پریشان کرتے رہے، یہ غیر ملکی اور نیم وحشی حملہ آور رفتہ رفتہ بہت طاقتور ہو گئے اور چین کو پوری طرح فتح کر لیا اس طرح چین میں ایک نئے خاندان کی حکومت شروع ہوئی۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ چین کی تہذیب اور اس کا تمدن ہمیشہ برقرار رہا۔ بیرونی فاتحوں نے ملک پر قبضہ کر لیا لیکن چین کی تہذیب پر تسلط قائم نہیں کر سکے۔ چین کے فاتح ہمیشہ چین کی تہذیب اختیار کرنے پر مجبور ہوتے رہے۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ چین ایک وسیع سمندر ہے جس میں غیر چینی فاتح اور چینی مفتوح ایک رنگ میں رنگ گئے۔ خاندانِ مانچو (یا خاندان چینگ) اسی قسم کا ایک غیر چینی خاندان تھا۔ اس خاندان کے بانی نے چین کو ۱۶۴۴ء میں فتح کیا اور حدود سلطنت کو بہت وسیع کیا۔ لیکن آہستہ آہستہ اس خاندان کے حکمرانوں میں بھی تنزل اور کمزوری کے آثار نمودار ہوئے۔ شہنشاہ چی ان لنگ اس خاندان کا آخری حکمراں تھا جس نے امن و امان قائم رکھا اور نہایت کامیابی سے حکومت کی۔ ۱۷۹۶ء میں اس کی وفات کے بعد خاندانِ مانچو کی عظمت کا خاتمہ ہو گیا۔

اس طرح ہم چین کی تاریخ میں اٹھارھویں صدی کے اختتام اور انیسویں صدی کی ابتدا تک پہنچتے ہیں، بیرونی حکومتوں کے اثرات چین میں بڑھتے جا رہے تھے۔ ان حالات میں چین کو ایک ہمہ گیر حکمران کی ضرورت تھی کہ وہ چین کے وقار اور دولت کو برقرار رکھتا۔ اس زمانہ میں حکومت کی بنیادیں خود چینیوں نے کمزور کردی تھیں۔ بادشاہ کمزور، اراکین سلطنت بد اطوار اور فوج بے جان تھی۔ ان کے مقابلہ میں یورپ کی تازہ دم قوتیں تھیں۔ اس بڑھتے ہوئے سیلاب کا چین کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اقتصادی اعتبار سے چین مغربی ممالک کی درآمد و برآمد سے بالکل آزاد تھا۔ چین کو اپنی گذشتہ عظمت پر پورا بھروسا تھا اور وہ اپنی کمزوریوں سے واقف ہونے اور انھیں دور کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ مغربی ممالک کو تجارتی حقوق دینے میں چین نے ایسی شرائط پیش کیں جو یورپ کے تاجروں کو پسند نہیں تھیں لیکن وہ مجبور تھے کہ چینی حکومت کے فیصلہ کو منظور کرتے۔ یورپ کے تاجروں نے مجبور ہو کر چین کی شرائط کو قبول کیا لیکن ان کو توڑنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ چینی حکومت کی ممانعت کے باوجود یورپ کے تاجر افیون کی کثیر مقدار چین میں لاتے رہے حکومت نے دھمکی اور ممانعت سے کام لینا چاہا لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ یورپ کے تجارت پیشہ لوگ صرف تاجر نہیں تھے بلکہ اپنی مدافعت کے لئے ہمیشہ آلات حرب اور فوج تیار رکھتے تھے۔ حکومت چین جب بالکل مجبور ہو گئی تو اس کے پاس سوائے اس کے اور کوئی طریقہ کار نہیں تھا کہ افیون کی برآمد روکنے اور یورپ کے تاجروں کی خلاف قانون سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لئے

اپنی فوج روانہ کرے۔ کئی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں۔ چین کو برطانیہ اور فرانس کے تاجروں سے دو جنگوں میں شکست ہوئی۔ ان موقعوں پر صلح کی شرائط برطانیہ اور فرانس نے پیش کیں۔ ان واقعات سے چین کے اقتدار کو نقصان ہوا۔ یہ واقعات سنہ ۱۸۴۲ء اور سنہ ۱۸۶۰ء کے درمیان ہوئے

ٹیپنگ کی بغاوت (سنہ ۱۸۴۹-۶۴ء)

اس زمانہ میں جب کہ چین مغربی حکومتوں سے جنگ آزما تھا چین کی اندرونی حالت بگڑتی جارہی تھی۔ اراکین سلطنت کے بداطوار اور لاپرواہ ہونے کی وجہ سے ملک کا انتظام بہت ابتر ہو گیا تھا، حکومت کے خلاف رعایا کے جذبات بھڑک اٹھے اور انیسویں صدی کے وسط میں چین میں ایک زبردست انقلاب شروع ہوا۔ دنیا کی تاریخ اس خونیں انقلاب کی مثال پیش نہیں کر سکتی، ٹیپنگ کی انقلابی اور خونیں سرگرمیاں چودہ سال تک (سنہ ۱۸۴۹-۶۴ء) جاری رہیں۔ انقلاب پسندوں کو شکست دینے کے لئے حکومت کو بیرونی اقوام کی مدد لینی پڑی بمشکل تمام یہ انقلاب ختم ہوا لیکن چین کو ہر اعتبار سے سخت نقصان پہنچا۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس شورش میں دو کروڑ (۲۰۰۰۰۰۰۰) جانیں تلف ہوئیں۔ اس بغاوت اور اس کے اثرات سے خاندان مانچو کے اقتدار اور قوت کو ناقابل تلافی زک پہنچی۔

سنہ ۱۸۵۰ء کے بعد سے مسلسل ایسے واقعات ہوتے رہے جنھوں نے حکومت چین کو بہت کمزور کر دیا مثلاً سنہ ۱۸۵۸ء اور سنہ ۱۸۶۰ء کے درمیان شمالی چین کے ایک علاقہ پر روس نے قبضہ کر لیا۔ سنہ ۱۸۸۰ء اور سنہ ۱۸۹۰ء

کے درمیان چین کے جنوبی صوبوں (انڈوچائنا اور برما) پر فرانس اور برطانیہ نے قبضہ کیا۔ اس کے بعد چین اور جاپان میں (۹۵-۱۸۹۴ء) ایک جنگ ہوئی جس میں چین کو ایک اور سخت شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اور صلح کی شرائط کی رو سے جاپان کا جزیرہ فارموسا اور علاقہ کوریا پر قبضہ ہو گیا، انیسویں صدی کے آخری نصف میں ان مسلسل شکستوں نے ایک طرف چین کو کمزور کر دیا دوسری طرف دنیا کی قوموں پر واضح ہو گیا کہ چین ایک گرتی ہوئی قوم ہے۔ بیرونی حکومتوں کا طرز عمل چین کے ساتھ بالکل بدل گیا ہر ایک کی یہ کوشش رہی کہ چین کی لوٹ میں زیادہ سے زیادہ حصہ حاصل کرے۔ روس، برطانیہ، فرانس اور جرمنی نے زیادہ رعاتیں طلب کیں؛ اس کے علاوہ انھوں نے چین میں اپنے اقتصادی مفاد کے تحفظ کے لئے فوجی قوت بڑھائی اور قلعے تعمیر کرائے مثلاً روس نے پورٹ آرتھر (Port Arthur) میں، برطانیہ نے وی، ہائی وی اور کاؤلون میں، جرمنی نے کیاچاؤ اور فرانس نے کوانگ چاؤوان پر تجارتی حقوق اور اجارے حاصل کئے۔ ان واقعات کے بعد بیرونی حکومتوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انھوں نے کوشش کی کہ چین میں تجارت کی غرض سے ہر ایک کے رسوخ کی حدود قائم کی جائیں تاکہ آپس میں تفرقہ اور جنگ نہ ہو بظاہر چین کی تقسیم تجارتی اغراض و مقاصد کے ماتحت ہو رہی تھی لیکن اس کے ساتھ سیاسی اور ملکی حقوق حاصل کرنے کے ارادے پوشیدہ تھے۔ صرف ایک بیرونی حکومت ریاستہائے متحدہ امریکہ نے چین میں مقبوضات یا اجارے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ یورپ کی اقوام کے بڑھتے ہوئے اثرات

کو دیکھ کر اُسے اپنی تجارت اور اقتصادی مفاد کے تحفظ کا خیال پیدا ہوا۔ ریاستہائے متحدہ کی تجارت کو محفوظ رکھنے کے لئے وہاں کی حکومت نے کوششیں شروع کیں۔ سکریٹری آف سٹیٹ " ہے " (Hay) نے ۱۸۹۹ء میں چین کی تجارت اور خارجی پالیسی کے بارے میں اعلان کیا جو مساوی حقوق تجارت (Open Door Policy) کے نام سے مشہور ہے۔ اس اعلان کا مقصد یہ تھا کہ دول یورپ کو معلوم ہو جائے کہ حکومت ریاستہائے متحدہ چین کی تجارت میں دنیا کی تمام قوموں کے لئے مساوی حقوق چاہتی ہے۔

باکسر کی جنگ

یورپین اقوام کی تجارت اور ان کا اقتدار شمال کے صوبوں میں بڑھتا گیا۔ چین کے باشندے سفید اقوام کی آمد اور بڑھتے ہوئے اثرات کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھ سکے۔ ان صوبوں میں کئی خفیہ انجمنیں قائم ہوئیں جن کا مقصد یہ تھا کہ بیرونی اقوام کے اثرات کو بڑھنے سے روکا جائے۔ چینی محسوس کرنے لگے تھے کہ یہ نو وارد ان کی دولت چھین رہے ہیں، ان کی تجارت پر قبضہ کر رہے ہیں، چین کی صنعت و حرفت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ چین کی حریت اور آزادی کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ چین کی قومی بیداری کو تیز کرنے میں قدرت نے مدد کی، شمالی صوبوں میں عام ہل چل کے ساتھ ایک تباہ کن قحط نمودار ہوا۔ چینی باشندے سفید اقوام کو بہت منحوس سمجھتے تھے۔ قحط کی آمد کو انھوں نے دیوتاؤں کی ناراضگی کا اظہار سمجھا۔ یورپین اقوام سے ان کی نفرت کے جذبات بہت بڑھ گئے۔ چینیوں

کو یقین ہو گیا کہ قحط کی ذمہ داری مغرب کی اقوام پر ہے۔ یورپین اقوام کے خلاف تحریک کا اعلان کیا گیا۔ یہ تحریک ہر بیرونی چیز کے خلاف تھی، مثلاً بیرونی اقوام کے باشندے، ان کا مذہب، عیسائی مبلغ اور چینی عیسائی، سب سے پہلے ۱۸۹۹ء میں چینی عیسائیوں پر حملہ کیا گیا، کیونکہ قوم پرست چینی سمجھتے تھے کہ تبدیل مذہب کی وجہ سے ان کے ہم وطن غداری کر رہے ہیں۔ کئی یورپین قتل کئے گئے۔ یہ تحریک اتنی بڑھی کہ سن ۱۹۰۰ء میں حکومت کی فوجوں نے بھی انقلاب پسندوں کا ساتھ دیا۔ ان حالات میں شورش فرو ہونے کی بجائے اور زیادہ تیز ہو گئی۔ حکومت کی فوج کے ساتھ مل کر چینیوں نے پیکنگ میں خارجی حکومتوں کے سفارت خانوں کو گھیر لیا۔ ان کے مقابلے کے لئے تمام بیرونی اقوام متحد ہو گئیں اور ایک بین الاقوامی فوج تیار کی گئی جس میں امریکہ، جاپان، روس، برطانیہ اور فرانس کے سپاہی شامل تھے۔ چین کی فوج نے بین الاقوامی سپاہیوں کا بہادری سے مقابلہ کیا لیکن آلات حرب کی کمی کی وجہ سے کامیابی سے نہیں لڑ سکے۔ بین الاقوامی فوج نے محاصرہ کرنے والوں کو شکست دی اور سفارتخانوں کو بچا لیا۔ اس تحریک کے اختتام کے بعد جو عہد نامہ ہوا اس کی رو سے چین میں بیرونی اقوام نے مزید رعاتیں حاصل کیں اور چین کے اقتدار کو شدید صدمہ پہنچا تاریخ میں چین کی اس جنگ آزادی کو " باکسر کی بغاوت " کے نام سے یاد کیا جاتا ہے حالانکہ اس قومی تحریک اور چینی مال و جان کی قربانی کو بغاوت کہنا سراسر غلط ہے۔ یہ دراصل ظلم و تعدی کے خلاف چینیوں کا جہاد تھا۔ اس کی ابتدا صوبہ شان ٹنگ میں ہوئی جہاں جرمنوں کی سخت مخالفت کی گئی تھی۔

باکسر کی جنگ کے دوران میں روس نے اپنی فوج کی بہت بڑی تعداد مانچوریا بھیجدی تھی۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد برطانیہ، جاپان اور دوسری حکومتوں نے مطالبہ کیا کہ روس اپنی فوج مانچوریا سے ہٹالے۔ مانچوریا میں روسی فوج کا قیام روس کے اثر کو بڑھانے میں کامیاب ہو رہا تھا۔ بیرونی دول کے احتجاج کے باوجود روس نے فوج کو مانچوریا سے نہیں ہٹایا۔ روس کا مقصد یہ تھا کہ مانچوریا پر اثر و اقتدار حاصل کرنے کے بعد کوریا میں اپنا رسوخ قائم کرے۔ جاپان نے روس کی سخت مخالفت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوریا پر اقتدار کے متعلق روس اور جاپان کے درمیان گفت و شنید ہوئی لیکن کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا۔ ۱۹۰۴ء میں جاپان اور روس میں جنگ کا آغاز ہوا اس جنگ میں روس کو شکست ہوئی اور جاپان کو جنوبی مانچوریا میں وہ تمام اختیارات حاصل ہوئے جو روس کی ملکیت تھے۔ چین نے بھی ۲۲ دسمبر ۱۹۰۵ء کے عہدنامے کی رو سے مانچوریا میں جاپان کے نئے حقوق تسلیم کر لئے جنوبی مانچوریا میں روس کو جو مراعات حاصل تھیں ان میں سے پورٹ آرتھر کا اجارہ اور جنوبی مانچوریا میں ریلوے لائن خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

چین کی مسلسل شکستوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں حکومت کے خلاف سازشیں ہونے لگیں۔ قومی جذبات کی بیداری کے آثار نمایاں ہونے لگے اور خاندان مانچو کے حکمرانوں کے خلاف رعایا کے انقلابی جذبات بڑھنے لگے۔ ڈاکٹر سن یات سن اس انقلابی تحریک کا رہنما تھا اس نے خفیہ انجمنوں کے قیام اور انقلابی خیالات کی نشر و اشاعت کے لئے بہت کام کیا۔ انقلابی تحریک کے اخراجات کے لئے قوم پرستوں نے چین میں اور چین سے باہر چندہ جمع کیا

اس طرح ۱۹۱۱ء میں چین میں انقلاب شروع ہوا جو قبل از وقت ہونے اور انقلابی رہنماؤں کے باہمی اختلافات کے باوجود کامیاب ہوا۔ مانچو حکمران تخت سے دست بردار ہوا اور چین میں ایک جمہوری حکومت قائم کی گئی جمہوریۂ چین کا صدر یوان شکائی منتخب ہوا جو بعد میں بالکل مطلق العنان حاکم (ڈکٹیٹر) بن گیا۔ جنوبی چین کے ایک صوبہ میں جمہوری حکومت کی مخالفت کی گئی لیکن یوآن نے اس شورش کو فرد کر دیا۔ اس کامیابی کے بعد یوان شکائی کی مطلق العنانی میں دخل دینے کی جرأت کسی میں نہیں تھی اس لئے وہ پورے چین پر بغیر مخالفت کے حکومت کرتا رہا۔

انقلاب کے بعد چین سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ یورپ میں جنگ عظیم (۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء) شروع ہوئی۔ جنگ کے شروع ہونے کے فوراً بعد جاپان نے برطانیہ اور فرانس کا ساتھ دیا۔ جاپان کا جنگ میں شرکت کا مقصد یہ تھا کہ جرمنی کے ان مقبوضات پر قبضہ کرے جو چین میں واقع تھے۔ جاپان نے سب سے پہلے کیاچاؤ میں جرمن مقبوضات پر حملہ کر کے شان ٹنگ کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ چین جنگ عظیم سے بالکل علیحدہ تھا اس لئے جاپانی افواج کا چین کی حدود سے گذرنا چین کی غیر جانبداری کے خلاف تھا۔ چین نے جاپان کے اس رویہ پر سخت اعتراض کیا لیکن جاپان نے کوئی پروا نہیں کی۔ مجبوراً چین نے ایک علاقہ محدود کر دیا کہ جنگی سرگرمیاں اس علاقہ تک محدود رہیں لیکن جاپان نے ان حدود کو بھی قائم نہیں رکھا۔ چین کی حکومت لفظی احتجاج کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکی جب کیاچاؤ پر جاپان کا قبضہ ہو گیا تو چین نے اپنے اعلان کو واپس لے لیا

اس طرح چین میں کوئی علاقہ باقی نہیں رہا جس میں جنگی سرگرمیاں جاری رکھی جا سکیں۔ جاپان دراصل منتظر تھا کہ چین کے طرز عمل پر اعتراض کا موقع ملے۔ کیاجاؤ کی جنگ کے سلسلہ میں جاپان کو موقع مل گیا اور اس نے چین کے برتاؤ پر سخت اعتراض کیا اور ۱۹۱۵ء میں چین کے سامنے اکیس۲۱ مطالبات پیش کئے ان مطالبات کا خلاصہ یہ ہے کہ چین کی بیرونی سیاسی پالیسی اور تجارت پر جاپان کے حق کو تسلیم کیا جائے۔ کوئی آزاد ملک ایسے مطالبات کو کسی طرح قبول نہیں کر سکتا۔ اگر چین اس وقت جاپان کے سامنے جھک جاتا تو اس کی آزادی قریب قریب ختم ہو جاتی۔ جنگ عظیم کی وجہ سے جاپان اور چین کے قضیے کا کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا۔ ۱۹۱۷ء میں چین بھی جنگ عظیم میں برطانیہ کے ساتھ شامل ہو گیا۔ چین نے جنگ عظیم میں زیادہ مدد نہیں کی تھی لیکن اس کے باوجود صلح کانفرنس میں شرکت کی دعوت چین کو دی گئی۔ اس کانفرنس میں چین نے نہایت واجب مطالبہ پیش کیا کہ قلعہ شان ٹنگ جس پر جاپانیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ چین کو واپس کر دیا جائے۔ بین الاقوامی حلقوں میں چین کو وہ رسوخ حاصل نہیں تھا جو جاپان کا حصہ تھا۔ چین کے جائز مطالبہ کو صلح کانفرنس نے منظور نہیں کیا۔ اس ہتک کے بعد چین پر ظاہر ہو گیا کہ صلح کانفرنس میں شرکت دراصل طاقت ور حکومتوں کے ہاتھ میں کھیلنا ہے۔ چین صلح کانفرنس سے علیحدہ ہو گیا۔ صلح کانفرنس کے بعد مجلس اقوام قائم ہوئی جس کا مقصد تھا کہ دنیا کے مختلف فیہ مسائل کو پرامن طریقوں سے حل کیا جائے اور دنیا سے جنگ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کیا جائے۔ مجلس اقوام کی ناکامی پر ہم اس وقت

بحث نہیں کریں گے لیکن ابتدا میں چین جیسی مظلوم قوم کے لئے لیگ کا وجود بڑا سہارا معلوم ہوا۔ چین اندرونی کمزوری کے ساتھ بیرونی خطرات سے واقف تھا کہ ایک طرف روس اور دوسری طرف جاپان اس کے زرخیز خطوں پر لالچ کی نظریں ڈال رہے ہیں۔ لیگ کا یہ دعویٰ تھا کہ اس کے اراکین ظالم اور جابر حکومت کے خلاف جو کسی رکن کی آزادی خطرہ میں ڈال رہا ہو ایسا اقدام کریں گے جس سے امن پسند رکن کی امداد ہو اور دشمن کی ہر ممکن پُرامن طریقے سے مخالفت کی جائے۔ چین کو اپنی بقا اور اندرونی معاملات کی اصلاح کا موقع نظر آیا۔ اس لئے صلح میں مایوسی کے باوجود وہ مجلس اقوام کا رکن ہو گیا

جاپان کے اکیس نکات (جو ۱۹۱۵ء میں جنگ عظیم کے دوران میں پیش کئے گئے تھے) برقرار تھے اور سمجھوتہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ بالآخر ۱۹۲۲ء میں واشنگٹن کانفرنس منعقد ہوئی جس میں چین کے مسائل پر بحث ہوئی، اس کے بعد ایک عہد نامہ ہوا جو نو دول کے عہد نامہ (Nine Power Treaty) کے نام سے مشہور ہے۔ اس عہد نامہ کا مقصد یہ تھا کہ چین پر جاپان کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکا جائے اور

مقبوضات جن پر بیرونی دول کا قبضہ تھا چین کو واپس کردیئے گئے۔ چین
کی تجارت اور سیاسی پالیسی میں قطعی آزادی تسلیم کی گئی۔

۱۹۱۱ء کے بعد چین میں دوسرا انقلاب

۱۹۰۲ء کے بعد چین کے بیرونی مسائل کچھ عرصہ کے لئے حل ہو گئے اور حکومت کو موقع ملا کہ اندرونی معاملات کی اصلاح کرے۔ چین کے
اندرونی حالات اور انتظام میں بہت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ حکومت چین
کے سامنے زبردست مشکلیں تھیں۔ پوری قوم سے جمود، کاہلی اور غربت دور
کرکے از سر نو تعمیر کی ضرورت تھی۔ مرکزی حکومت کو صوبجاتی حکومتوں
سے ۱۹۲۷ء تک جنگ کرنی پڑی تاکہ بدامنی اور خانہ جنگی دور ہو اور
تمام چین میں ایک مرکزی حکومت تسلیم کرلی جائے۔ ۱۹۲۷ء کے بعد صوبجاتی
اور مرکزی حکومت کے تمام اختلافات دور ہو گئے اور قومی حکومت نے
تمام صوبوں پر اپنا اثر قائم کرلیا۔ چین کی مرکزی حکومت کے ماتحت ہر شعبہ
میں اصلاحات ہو رہی ہیں۔ حالات کی ابتری اور ملک کی وسعت دیکھتے
ہوئے حکومت نے جو کچھ قدم بڑھایا ہے وہ بہت قابل تعریف ہے۔ سب
سے بڑی بات یہ ہے کہ پورے چین میں قومی جذبات بیدار ہو گئے ہیں اور
چینی قوم ایک رہنما کے ماتحت جاپان کا نہایت دلیری سے مقابلہ کر رہی
ہے۔ موجودہ جنگ کی وجہ سے چین کی انتظامی، اقتصادی، سیاسی، علمی
اور تمدنی اصلاحات رک گئی ہیں، لیکن قومی جذبات میں بہت بیداری
ہوگئی ہے۔ اس بیداری کی مدد سے چین کے اور مسائل کا حل بہت آسان

ہو جائے گا۔

چین کے اندرونی مسائل میں آبادی کی زیادتی، سیلاب، قحط اور خانہ جنگیاں قابل توجہ ہیں۔ نقشہ نمبر ۲ میں بحرالکاہل کے مختلف ممالک کی آبادی اور تناسب آبادی در قبہ بتائے گئے ہیں چین کی آبادی فی مربع میل ۴ر۲۸۰ ہے جو اور ممالک کے اعداد و شمار کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ چین کی آبادی پورے ملک میں مساوی طور پر منقسم نہیں ہے۔ بعض خطے بہت زیادہ گنجان آباد ہیں اور بعض بہت کم۔ چین میں پیدائش کی رفتار بھی اور ممالک کی نسبت زیادہ ہے۔ ان اسباب کی بنا پر ملک کی زرخیزی کے باوجود چین میں انتہائی غربت ہے اور معیار زندگی بہت پست ہے۔ چین کے معدنی اور زرعی ذخیرے بکثرت موجود ہیں لیکن صنعت و حرفت بالکل ابتدائی دور میں ہے۔ حکومت چین کو روس سے دو طرح کا خطرہ لگا ہوا ہے ایک تو یہ کہ روس ملک کے کسی حصہ پر قبضہ نہ کرے اور دوسرے یہ کہ اشتراکیت کی تبلیغ کرکے حکومت چین کے خلاف انقلاب برپا نہ کردے چین میں اشتراکیت پسندوں کی کثیر تعداد ہے اور حکومت کو ہمیشہ ڈر لگا رہتا ہے کہ انتہائے غربت و افلاس اور روسی اثرات کے ماتحت چین میں ایک اور انقلاب نہ ہو جائے۔ چینی حکومت کو اپنی بقائے لئے اشتراکیت کے خلاف بہت زیادہ جد و جہد کرنی پڑتی ہے

چین اور جاپان کی موجودہ جنگ میں چین کے صلاحیت پر ذکر ہم بہت کچھ ملتوی کر دیتے ہیں چین کو جنگ کی کمزوریوں کا علم ہو گیا

ذرائع آمدورفت کی کمی صنعت وحرفت کا فقدان اور اسلحات جنگ کی قلت چین کو بیرونی حکومتوں کا دست نگر ہونا پڑا لیکن چین کو اس زندگی اور موت کی کشمکش میں بیرونی اقوام بالخصوص برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ سے وہ مدد نہیں ملی جس کی توقع تھی لیکن اب صورت حالات تبدیل ہو رہی ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جاپان موجودہ جنگ ہرگز جاری نہ رکھ سکتا اگر برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ تباہ کاری کے سامان، بم، ہوائی جہاز، بندوقیں اور توپیں جاپان کو فروخت کرنے سے انکار کر دیتے۔

اس جنگ کے ابتدائی دور میں ریاستہائے متحدہ میں رائے عامہ چین کی حمایت میں اس حد تک نہیں تھی جتنی مانچوکو کے واقعہ کے دوران میں تھی۔ اکثر سیاست دانوں کا اور ریاستہائے متحدہ کی حکومت کا خیال تھا کہ چین اور جاپان کی جنگ میں غیر جانبداری قائم رکھی جائے۔ چین نے مجلس اقوام سے مداخلت کی درخواست کی لیکن حبش کا انجام اس کے سامنے تھا اور اسے بہت کم امید تھی کہ مجلس اقوام کسی طرح مدد کر سکے گی اس معاملے میں بھی مجلس اقوام نے اپنی روایات کو قائم رکھا مجلس اقوام اور برسلز کانفرنس دونوں نے غور کیا کہ جاپان کے خلاف کیا طریقے استعمال کئے جائیں۔ اس سلسلہ میں پہلے اجلاس میں کوئی فیصلہ نہیں ہوا بالآخر بڑے غور وخوض کے بعد جب کہ چین کو کافی صدمہ پہنچ چکا تھا مجلس اقوام نے ایک تجویز پاس کی کہ مجلس اقوام کے اراکین چین کی حتی المقدور مدد کریں۔ اور اب جاپان کی موجودہ سیاست نے برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ کو چین کی امداد پر نسبتاً زیادہ متوجہ کر دیا ہے۔ اب تک روس نے چین کی بہت

امداد کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روس جاپان کے اقتدار کو اقیا ریں روکنا چاہتا ہے۔ چین کے ساتھ روس کی امیدیں وابستہ ہیں مثلاً روس کے اثر سے اشتراکیت پسندی چین میں مقبول ہوتی جا رہی ہے۔ منگولیا اور رنکیانگ کے راستہ سے روس نے سامان حرب اور ہوائی جہاز چین کی امداد کے لئے بھیجے ہیں۔ روسی ہوا بازوں نے جنگ میں حصہ لیا ہے اور روس کے فوجی افسر ہنکاؤ (Hankow) بھیجے گئے تھے۔ چین کی اشتراکیت پسند جماعت کی روس غیر سرکاری طور پر مدد کر رہا ہے ان کے علاوہ روس کی سب سے بڑی مدد چین کے لئے یہ ہے کہ روس اور مانچوریا کی حدود پر جاپان کو بہت زبردست فوج رکھنی پڑتی ہے۔ چین اور جاپان کی جنگ کے دوران میں تین لاکھ جاپانی فوج ہمیشہ ان حدود کی حفاظت کے لئے متعین رہتی ہے۔ جاپان کو خطرہ ہے کہ روس مانچوریا پر حملہ کر دے گا۔ ایک جاپانی مدبر نے کہا ہے کہ جاپان چین سے بائیں بازو سے لڑ رہا ہے۔ جاپان کو اکثر ضرورت پڑی کہ اس متعینہ فوج سے فائدہ اٹھائے اور چین میں فتوحات کی رفتار کو تیز کرے لیکن روس نے اس کی اجازت نہیں دی۔ سرحد پر روسی افواج کی نقل و حرکت جاپان کو پریشان کرنے کے لئے کافی ہے۔ کئی واقعات مانچوریا اور اس کی سرحد پر ہو چکے ہیں اور جاپان کو یقین ہو چکا ہے کہ اس علاقہ میں فوجی قوت کم کرنا تدبر سے بعید ہے۔ جاپان کو پریشان کرنے کے لئے روس اس حکمت عملی پر عمل پیرا ہے۔ چین کو جنگ کے دوران میں اکثر ضرورت پڑی کہ تیاری کرنے کے لئے جاپان کی توجہ کہیں اور مبذول کرے۔ ٹھیک ایسے موقعوں پر روس

نے مانچوکو کی سرحد پر فوج کی نقل و حرکت سے جاپان کو مجبور کر دیا کہ وہ کچھ وقفہ
کے لئے اپنی توجہ چین سے ہٹا دے۔ اس ضمن میں مانچوکو کی سرحد پر جنگ کو فنگ
کا واقعہ جو جولائی ۱۹۳۸ء میں ہوا تھا قابل ذکر ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا ہے
کہ اس پہاڑی پر روس کا قبضہ ہے یا جاپان کا لیکن اس تنازعہ کی وجہ سے جاپان
کی توجہ چین سے ہٹ گئی تھی۔ یہ واقعہ اس وقت ہوا تھا جب چین کو بہت
ضرورت تھی کہ جاپانیوں کی توجہ ہنکاؤ سے ہٹ کر کسی دوسری طرف منعطف
ہو جائے۔ یہ تدبیر کامیاب ہوئی اور جاپانی فوجیں دریائے ینگ کیانگ
کے جنوبی کنارے سے ہٹائی گئی تھیں۔ ہم جانتے ہیں کہ موجودہ جنگ یورپ
کے آغاز کے بعد ستمبر ۱۹۳۹ء میں روس اور جاپان کے درمیان مانچوکو اور
روس کی سرحد سے متعلق ایک عہد نامہ ہوا ہے جس کی رو سے سرحد کا قضیہ موجود
حالت میں چھوڑ دیا جائے گا اور فوجی نقل و حرکت بند کر دی جائے گی۔ اس
عہد نامہ کے باوجود جاپان اس سرحد سے بے فکر نہیں ہے اور اپنی پوری توجہ
چین کی طرف مبذول نہیں کر سکتا۔

اب تک برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ چین کی امداد دل کھول کر نہ کر سکے۔
البتہ اب ریاستہائے متحدہ چاہتا ہے کہ جاپان کے خلاف اقتصادی سرگرمی
شروع کر دے۔ چنانچہ ریاستہائے متحدہ نے جاپان کو اطلاع دی ہے کہ وہ
تجارتی عہد نامہ کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ تجارتی تعلقات ختم ہو جانے کے بعد
ریاستہائے متحدہ کو بھی نقصان پہنچے گا لیکن سب سے زیادہ نقصان جاپان کا
ہو گا کیونکہ وہ ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ کے اسلحات کے بغیر جنگ جاری

نہیں رکھ سکتا۔ چونکہ برطانیہ، فرانس اور جرمنی برسرپیکار ہیں، جاپان کو اسلحات خریدنے میں بہت دقت ہوگی اور ممکن ہے تجارتی تعلقات کے اختتام کے بعد جاپان جنگ کو جاری نہ رکھ سکے۔

شنگھائی اور دوسرے مقامات پر یورپین اقوام کی تجارت اور اقتدار کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے۔ ان اقوام کا اقتصادی مفاد اور سرمایہ جو چین میں مختلف صورتوں میں لگا ہوا ہے خطرہ میں ہے۔ یورپین افراد کو بہت تکالیف پہنچائی جا رہی ہیں۔ ٹینٹسن (Tientsin) کے واقعات سے برطانوی رائے عامہ بہت متاثر ہوئی تھی لیکن انتہائی ہتک آمیز برتاؤ کے باوجود وقتی مصلحت کی بنا پر برطانیہ نے جاپان کو اسلحات فروخت کرنے سے انکار نہیں کیا۔ ہاں چین کی مالی امداد میں برطانیہ پیش پیش ہے معلوم ہوتا ہے کہ جاپان اور چین کے ساتھ اسلحات کی تجارت کا نفع چین کی امداد کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔ یورپ کی موجودہ جنگ کی وجہ سے برطانیہ کی چین کی زیادہ امداد کی توقع بہت کم ہے۔ یہاں پر ہم ان ذرائع آمدورفت کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتے جو برطانوی اور فرانسیسی مقبوضات سے گذرتے ہیں اور جو چین کی بقا کے لئے اشد ضروری ہیں۔ فی الحال بحری راستے چین کی تجارت اور اسلحہ کی درآمد کے لئے قریب قریب مسدود ہو چکے ہیں۔ لیکن خشکی کے راستے جو برما[1] اور فرنچ انڈوچائنا سے گذرتے ہیں استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ ان

---

[1] برما کا راستہ تین ماہ عارضی طور پر بند رہنے کے بعد ۱۸ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو کھل جائے گا۔ البتہ فرنچ انڈوچائنا کا راستہ یہاں کی حکومت نے جرمنی کے دباؤ سے مجبور ہو کر عملی طور پر جاپان کے قبضہ میں دے دیا ہے جو آئندہ چین کے خلاف استعمال کیا جا سکے گا۔ (ناشر)

دو راستوں کے علاوہ ایک اور خشکی کا راستہ ہے جو منگولیا ہے۔ لیکن یہ راستہ بہت لمبا اور قریب قریب ناقابل استعمال ہے جب تک کینٹن چین کے قبضہ میں تھا، اسلحات ہانگ کانگ کے راستے سے منگوائے جاتے تھے اور کینٹن ہنکاؤ ریلوے کے ذریعہ اندرونی علاقوں میں پہنچائے جاتے تھے۔ جاپانیوں نے کینٹن ہنکاؤ ریلوے کا راستہ منقطع کر دیا ہے۔ چین کے لئے سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ چینی ہند کے راستہ سے اسلحہ منگوائے۔ اس راستہ میں ریلوے لائن یُنّان تک ہے اور اس کے آگے اندرونی چین میں سڑک جاتی ہے۔ برما کے راستے سے ایک نئی سڑک بنائی گئی ہے جو اب سے چند مہینے قبل مکمل ہوئی ہے۔ یہ سڑک بھی یُنّان پر آ کر ملتی ہے۔ ان دو راستوں کے ذریعہ سامان جنگ چین کی فوجوں کو پہنچایا جا رہا ہے۔ اگر کسی طرح یہ راستے بھی مسدود ہو گئے تو چین کی مدافعت دشوار ہو جائے گی۔

ہم نے ذکر کیا ہے کہ چین کی قدیم تہذیب کے اثرات چین کے فاتحوں پر پڑتے رہے اور انھوں نے اپنے آپ کو چین میں جذب کر دیا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ جاپان موجودہ جنگ میں چین پر پوری طرح حاوی نہیں ہو سکتا کیونکہ چینی قوم میں مدافعت کی بے انتہا قوت ہے۔ اسی کے ساتھ جاپان مالی مشکلات میں مبتلا ہے اور زیادہ عرصہ تک چین میں جنگ جاری نہیں رکھ سکے گا۔

چین میں قومی بیداری کا تذکرہ ہم کر چکے ہیں۔ چین پر مغربی اقوام اور ریاستہا متحدہ کے طرز عمل نے ظاہر کر دیا ہے کہ چین کو اپنی امداد خود کرنی پڑے گی۔ چین کو فطرت نے بے شمار معدنی اور زرعی دولت عطا کی ہے (نقشہ جات نمبر ۱ اور

نمبر ۲ ملاحظہ کیجئے۔ ان حالات میں ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ موجودہ جنگ کے بعد جاپان سے نجات حاصل کرکے چین اپنی قدیم تہذیب کی پختہ بنیادوں پر ایک عظیم الشان جمہوری حکومت قائم کرے گا۔ یہ حکومت اندرونی اصلاحات کرے گی، ملک کو صنعتی اور زرعی اعتبار سے ترقی دے گی تاکہ بیرونی ممالک کے رحم وکرم پر دارومدار نہ رہے۔ ممکن ہے صنعت وحرفت کی ترقی کے لئے چین کو بیرونی ممالک سے قرض لینا پڑے۔ لیکن اگر چین میں زراعت وحرفت کا مناسب امتزاج کیا گیا تو چین کی دولت بڑھتی جائے گی اور بیرونی قرض کی ادائیگی بہت آسان ہوگی۔ اس وقت چین کے لئے بحرالکاہل میں چینی مفاد جاپان، روس، برطانیہ یا ریاستہائے متحدہ کے مفاد سے کسی طرح کم نہیں ہوگا۔

۳۔ جاپان

جاپان ایشیا کی سب سے زیادہ زبردست قوت ہے۔ جاپان کا دعویٰ ہے کہ ایشیائی ممالک صرف ایشیا کے لئے ہیں۔ یورپ کے ممالک کے سیاسی اور اقتصادی اثرات سے ایشیا کو نجات دلانے کا اعلان جاپان نے اکثر کیا ہے۔ ریاستہائے متحدہ کے براعظم امریکہ سے متعلق "نظریہ منرو" کی طرح جاپان بھی ایشیا میں ایک نظریہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ جاپان کا بنیادی مفاد بحرالکاہل اور بحرالکاہل کے ممالک سے وابستہ ہے اور وہ بحرالکاہل میں اپنی بحری قوت کو برطانیہ یا ریاستہائے متحدہ سے کسی طرح کم نہیں رکھنا چاہتا۔ چنانچہ صلحنامہ واشنگٹن کو جس کی رو سے بحرالکاہل میں برطانیہ یا ریاستہائے متحدہ اور جاپان کی بحری قوتوں کا تناسب ۵ : ۵ : ۳ مقرر کیا گیا تھا، جاپان نے ختم کر دیا ہے۔ کیونکہ جاپان کا دعویٰ ہے کہ اس کی سیاسی اور اقتصادی اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنی بحری قوت ان دو حکومتوں سے کسی طرح کم نہ رکھے جاپان کی صنعت و حرفت، اشیائے خام کی تلاش، مصنوعات کے نئے منڈی کا سوال اور برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ سے تجارتی مقابلہ، جاپان کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے وسیع ممالک کی ضرورت اور جاپان کی ہوس ملک گیری۔ جاپانی قوم کے مسائل کی داستان ہے، جاپان کی تاریخ کا وہ حصہ حد درجہ اہم ہے جس میں اس نے سفید اقوام کے خلاف جہاد کیا، اور یہ دعویٰ کیا کہ یورپ

اقوام کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اکیلے ایشیا ر سے فائدہ اٹھائیں، آئندہ صفحات میں ہم پہلے جاپان کی ترقی پر تاریخی نظر ڈالیں گے اس کے بعد وہاں کے اہم مسائل کا مطالعہ کریں گے۔

سترہویں صدی سے قبل جاپان ایک گمنام لیکن آزاد حکومت تھی شہنشاہیت کے ساتھ یہاں طریقہ جاگیرداری (Feudalism) کارفرما تھا۔ یورپ کی اقوام نے مشرق کے ممالک سے تجارت شروع کی اور جاپان میں بھی اپنا اثر و اقتدار قائم کرنا چاہا۔ یورپ کی اقوام سے جاپان کے تجارتی تعلقات قائم ہوئے لیکن مغرب کے طریقے جاپان کو پسند نہیں آئے اور اُسے چند سختیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے سترھویں صدی میں جاپان نے مغربی دول سے تلخ تجربات کی بناء پر تمام بیرونی ممالک سے تجارتی اور سیاسی تعلقات منقطع کر دیئے صرف چند ممالک سے برائے نام رشتہ رکھا۔ حکومت جاپان نے جاپانیوں کی ممالک غیر کو آمد و رفت پر سخت قیود عائد کر دیں۔ انیسویں صدی کے وسط میں (۱۸۵۴ء) امریکن جہاز راں کمانڈر پیری نے جاپان سے تجارت کا دروازہ دوبارہ کھولا اور ریاستہائے متحدہ اور یورپ کی دول سے تجارتی اور سیاسی تعلقات دوبارہ قائم ہوئے۔ مغرب سے تعلقات کے بعد جاپان میں سرعت سے کئی تبدیلیاں ہوئیں مثلاً طریقہ حکومت میں کچھ تبدیلی ہوئی، مغربی خیالات اور طریقہ زندگی اختیار کیا گیا اور جاپان تجارت اور صنعت و حرفت میں مغرب کے قدموں پر چلنے لگا۔

جاپان کی تجارت کو فروغ دینے کے لئے سب سے پہلا میدان برِ اعظم

ایشیا میں چین، کوریا اور منچوریا میں تھا جہاں مغربی اقوام بھی جدوجہد کر رہی تھیں۔ جاپان چاہتا تھا کہ کوریا میں اپنے زیر اقتدار ایک نام نہاد آزاد حکومت قائم کرے جو روس اور جاپان کے درمیان "فاصل حکومت" (Buffer State) رہے۔ کوریا پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے روس اور جاپان کی کشمکش کا نتیجہ بھی جنگ کی شکل میں نمودار ہوا۔ جاپان کو کامیابی ہوئی اور اس نے کوریا میں ۱۹۰۵ء میں ایک باجگزار حکومت قائم کی لیکن اس حکومت کی اندرونی خرابیوں کی وجہ سے جاپان کو پورے کوریا پر قبضہ کر کے تمام انتظام اپنے ہاتھ میں لینا پڑا۔ اس طرح کوریا ۱۹۱۰ء میں سلطنت جاپان میں شامل کر لیا گیا۔ کوریا پر قبضہ ہونے کے بعد جاپان کا شمار دنیا کی بڑی قوتوں میں ہونے لگا۔ ہم نے باب ششم "روس اور سیاسیات بحرالکاہل" کے ماتحت تفصیل سے بتایا ہے کہ روس کو کوریا میں اقتدار حاصل کرنے میں سخت ناکامی ہوئی اور جاپان کو اس جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد منچوریا میں بھی سیاسی اور اقتصادی حقوق حاصل ہو گئے۔ اس طرح کوریا کے لئے جاپان کی جدوجہد نے ایک طرف روس کے بڑھتے ہوئے رسوخ کا خاتمہ کر دیا اور دوسری طرف حکومت چین پر جاپان کی غیر معمولی قوت کا اثر پڑا۔

جاپان نے روس اور چین سے مقابلہ کرنے سے پہلے معاہدہ کر لیا تھا تاکہ اُسے ایک ہی وقت میں کئی اقوام سے جنگ نہ کرنی پڑے اور کم از کم برطانیہ سے بالواسطہ یا بلاواسطہ امداد ملتی رہے۔ ۱۹۰۲ء میں جاپان اور برطانیہ کے درمیان معاہدہ ہوا۔ ۱۹۰۵ء میں اس معاہدہ کی تجدید کی گئی اور ۱۹۱۱ء

میں اس پر نظر ثانی کی گئی تاکہ جاپان، برطانیہ اور بین الاقوامی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے معاہدہ کی دفعات کی اہمیت میں کمی نہ ہو جائے۔ بعض مورخوں کا خیال ہے کہ ۱۹۱۱ء کے معاہدہ کی وجہ سے جاپان جنگ عظیم میں برطانیہ کا ساتھ دینے پر مجبور ہوا ہم اس رائے سے پورا اتفاق نہیں کر سکتے۔ جنگ عظیم میں شرکت کا مقصد یہ تھا کہ وہ جرمنی کے ان مقبوضات کو حاصل کرے جو چین میں تھے۔ چنانچہ جنگ عظیم کے آغاز کے بعد جاپان نے سب سے پہلے جرمنی کے ان مقبوضات کو فتح کیا۔ جنگ عظیم میں چین نے بھی شرکت کی تھی اور اُسے صلح کانفرنس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ صلح کانفرنس میں چین نے جرمن مقبوضات کا جن پر جاپان نے قبضہ کر لیا تھا مطالبہ کیا۔ جاپان نے ان مقبوضات کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ چین اور جاپان کے مطالبات کے تصادم میں یورپ کے سیاست دانوں نے جاپان کا ساتھ دیا اور یورپ کے بلند ایوانوں میں کمزور چین کی آواز گم ہو کر رہ گئی اور اسے مجبوراً صلح کانفرنس سے علیحدہ ہونا پڑا۔ صلح کانفرنس نے جاپان کو جزیرہ نما شان ٹنگ میں غیر معمولی اختیارات دے دیئے تھے۔ ہم "چین اور دور حاضر" کے ماتحت ذکر کر چکے ہیں کہ جاپان نے چین کے سامنے اکیس نکات پیش کئے تھے۔ صلح کانفرنس کے بعد بھی جاپان کے مطالبات حسب دستور قائم تھے اس عرصہ میں جاپانی صنعت وحرفت، تجارت اور سیاسی اقتدار بہت بڑھ گیا تھا۔ بحر الکاہل میں امن قائم رکھنے کے لئے جنگی جہازوں اور اسلحات کی تعداد کو محدود کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ مشرق بعید کے مسائل کو پُرامن طریقوں سے حل کرنے کی کوشش

(Auxiliary craft) کی تعداد کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا کیونکہ فرانس اور دوسری دول نے اپنی قوت کو کم کرنے یا آبدوز کشتیوں کی تعداد کو متعین کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ ہوائی جہاز لے جانے والے بحری جہازوں (Aircraft Carriers.) کی تعداد، بڑے جنگی جہازوں اور کروزرس (Cruisers) کی قوت اور توپوں کے دہانہ (Cali-ming of the guns) کے متعلق قیود منظور کی گئیں۔

(۲) بحرالکاہل کی جنگ میں زہریلی گیسوں کے استعمال کو ممنوع قرار دینے کی تجویز کو تمام دول نے قبول کیا۔

(۳) بحرالکاہل کے مسائل۔ بحرالکاہل کے مسائل کے متعلق ایک نیا عہدنامہ ۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء کو ریاستہائے متحدہ، برطانیہ، فرانس اور جاپان کے درمیان ہوا جس کی رو سے:۔

(i) ہر حکومت پر یہ امر لازمی قرار دیا گیا کہ ایک دوسرے کے مقبوضات اور حقوق کا احترام کرے۔

(ii) اگر آپس میں اختلاف رائے ہو تو مصالحت کی جائے اور ثالث کے فیصلہ کو تسلیم کیا جائے۔

(iii) یہ عہدنامہ دس سال کے لئے تھا۔ اس عہدنامہ پر دستخط کئے جانے کے بعد جاپان اور برطانیہ کے درمیان ۱۹۱۱ء کے عہدنامہ کو منسوخ کیا گیا۔

(۴) چین کے مسائل:۔ واشنگٹن کانفرنس میں چین نے اپنے مطالبات پیش کئے

جن کا خلاصہ یہ ہے کہ چین کی حدود مملکت کا احترام کیا جائے اور اس کی مکمل سیاسی اور انتظامی آزادی تسلیم کی جائے۔ بیرونی دول کے تمام سیاسی، انتظامی اور مقامی حقوق سے چینیوں کو نجات دلائی جائے ۔کانفرنس نے چین کے تمام مطالبات منظور نہیں کئے۔ لیکن یہ فیصلہ کیا کہ چین کی آزادی، حدود مملکت اور انتظامی حقوق کو تسلیم کیا جائے اور ان کا احترام کیا جائے۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ چین میں تمام دول کو تجارت کے مساوی حقوق حاصل ہوں گے اور کوئی ایک حکومت مخصوص حقوق اور مراعات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ چین کی انتظامی آزادی کے سلسلہ میں یہ طے ہوا کہ جنوری ۱۹۲۳ء سے بیرونی حکومتوں کے ڈاک خانے چین سے ہٹا لئے جائیں۔ بشرطیکہ حکومت چین ڈاک کا مناسب اور قابل اعتماد انتظام کرے، لیکن چینی ڈائرکٹر جنرل پوسٹ کے ساتھ ایک خارجی ڈائرکٹر جنرل پوسٹ کا تقرر منظور کیا گیا تاکہ بیرونی دول کے مفاد کی نگہداشت ہو سکے، بیرونی حکومتوں کے ملکی حقوق سے دستبردار ہونے اور بیرونی فوجوں کو چین سے علیحدہ کرنے کے بارے میں غور کیا گیا لیکن کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلا۔ چین سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنے صوبجاتی گورنروں کی فوجوں کی تعداد میں تخفیف کرے۔ درآمد و برآمد کے محصول کے متعلق چین کا مطالبہ کہ اسے مکمل آزادی دی جائے نامنظور کیا گیا۔ چین کا ایک اور مطالبہ کہ درآمد برآمد کے محصول میں اس کا حصہ ۵ فیصدی سے ۱۲½ فیصدی کیا جائے منظور نہیں کیا گیا۔ بیرونی حکومتوں کے لاسلکی اسٹیشنوں پر قید لگائی گئی کہ صرف سرکاری پیغامات کے لئے استعمال کئے جائیں۔ سنگ ٹاؤ کا جرمن

قلعہ جس پر جنگ عظیم کے ابتدائی دور میں جاپان نے قبضہ کر لیا تھا۔ چین کو واپس کیا گیا۔ سنانِ فو ریلوے (Tsinan fu Railway) چین نے تین کروڑ ڈالر میں خریدی۔ لیکن یہ طے ہوا کہ اس رقم کی ادائیگی تک یہ ریلوے چین اور جاپان کے متحدہ انتظام کے ماتحت رہے۔

روس کے حدود مملکت کے بارے میں جاپان نے اعلان کیا کہ وہ روس کی حدود کا احترام کرے گا۔

کانفرنس کے مندرجہ بالا فیصلے سات عہدناموں کی شکل میں مرتب کئے گئے جن پر دول متعلقہ کے دستخط ہوئے۔ ان میں سے عہدنامہ واشنگٹن اور نو دول کا عہدنامہ نہایت اہم تھے۔ عہدنامہ واشنگٹن برطانیہ، ریاستہائے متحدہ جاپان، فرانس اور اطالیہ کے درمیان ہوا۔ جیسا کہ بتایا جا چکا ہے۔ اس کی رو سے بحرالکاہل میں جنگی جہازوں کی تعداد محدود کی گئی تھی۔ جاپان نے اس عہدنامہ کو ختم کر دیا کیونکہ وہ برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ کے برابر بحری قوت رکھنا چاہتا ہے۔ نو دول کے عہدنامہ (Nine Power Treaty) میں وہ قیود عائد کی گئی تھیں جن کے ماتحت بیرونی اقوام چین میں اپنی پالیسی مرتب کر سکتی تھیں۔ جاپان نے اس عہدنامہ کو بھی کاغذ کے پرزے سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ کیونکہ جاپان کا چین پر حملہ اور چین کے وسیع علاقوں کو تاراج کر کے اپنے ماتحت کر لینا اس عہدنامہ کے منافی ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ واشنگٹن کانفرنس جن مقاصد کے لئے منعقد کی گئی تھی اُن میں ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ نے جاپان کی صحیح قوت کا اندازہ نہیں لگایا تھا۔

جاپان کے بین الاقوامی تعلقات روز بروز خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ مثلاً ۱۹۰۵ء سے قبل جاپان اور ریاستہائے متحدہ کے تعلقات بہت خوشگوار تھے۔ انیسویں صدی کے آخر ۱۸۶۸ء میں ریاستہائے متحدہ نے جاپان میں شہنشاہیت کے دوبارہ قیام میں مدد دی تھی اور بعض ممالک کی مخالفت کے باوجود ممالک غیر سے جاپان کے تجارتی تعلقات پیدا کرنے میں بھی ریاستہائے متحدہ نے بہت حصہ لیا تھا۔ اس کے علاوہ جاپان اور روس کی جنگ میں ریاستہائے متحدہ نے جاپان کی مالی امداد کی تھی جس کی وجہ سے جاپان کو کامیابی حاصل کرنے میں بہت آسانی ہوئی۔ لیکن ۱۹۰۵ء کے بعد دونوں کے تعلقات بتدریج خراب ہوتے گئے۔ اس کی ذمہ داری سب سے پہلے ریاستہائے متحدہ پر عائد ہوتی ہے۔ ریاستہائے متحدہ کے مغربی علاقوں میں ایشیائی اقوام کے خلاف نسلی امتیاز کی تحریک شروع کی گئی جس کے سب سے پہلے چینی مزدور شکار ہوئے۔ ۱۹۰۵ء اور ۱۹۱۱ء کے درمیان یہ تحریک جاپانیوں کے خلاف سختی سے جاری رہی اور جاپانیوں کے خلاف نفرت کا اظہار کیا جانے لگا جاپانیوں کی آمد کو زرد خطرہ (Yellow Peril) کہا گیا اور ہر ممکن طریقہ سے ان کو ریاستہائے متحدہ میں آباد ہونے سے روکا گیا۔ ہم نے نسلی امتیاز کے مسئلہ پر بحر الکاہل کے ممالک میں نقل وطن' کے باب میں مفصل بحث کی ہے۔ اس کے علاوہ ریاستہائے متحدہ میں جاپان کی چین میں مسلسل فتوحات کی مخالفت کی گئی۔ جنگ عظیم کے بعد جاپان کے اکیس نکات پر (جن سے چین کی آزادی برائے نام رہ جاتی) ریاستہائے متحدہ نے سخت اعتراضات کئے تھے، واشنگٹن

کانفرنس کے بعد جاپان کی بحری قوت اور چین میں سرگرمیوں پر قیود عائد کرنے کی کوشش کی گئی جو بالکل ناکام ثابت ہوئی۔ منچوریا اور شمالی چین میں جاپان کا اقتدار بڑھنے کی وجہ سے ریاستہائے متحدہ کی تجارت اور اقتصادی مفاد خطرہ میں پڑ گئے ہیں۔ چنانچہ آج جاپانیوں کی پالیسی ایشیا میں وہی ہے جو ریاستہائے متحدہ کی امریکہ میں نظریہ منرو کے ماتحت ہے۔ ان حالات میں ہم توقع نہیں کر سکتے کہ ریاستہائے متحدہ اور جاپان کے تعلقات خوشگوار رہیں گے۔

جاپان اور چین کے تعلقات

جاپان اور چین ہمسایہ اقوام ہیں اس لئے ہمیں تعجب نہیں ہوتا جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے تعلقات بہت قدیم ہیں۔ جاپان کی تہذیب چین سے متاثر ہوتی رہی جزیرہ نما کوریا کی معرفت ان دونوں کے درمیان سلسلہ آمدورفت تھا۔ چین کے منگول حکمرانوں نے دو مرتبہ جاپان پر قبضہ کرنے کی کوشش کی لیکن جاپان نے اپنی آزادی کو قائم رکھا۔ جس زمانہ میں جاپان نے مغربی اقوام سے گھبرا کر اکثر بیرونی ممالک سے تجارتی اور سیاسی تعلقات منقطع کر دئے تھے، چین کو اجازت حاصل تھی کہ جاپان سے تجارت جاری رکھے۔ ہم نے کہا ہے کہ انیسویں صدی کے وسط میں جاپان نے ممالک غیر سے دوبارہ تعلقات پیدا کئے، اس کے بعد چین سے تجارت برقرار رکھنے کے لئے جاپان نے ایک تجارتی معاہدہ بھی کیا تاکہ ممالک غیر سے تجارت بڑھنے کی وجہ سے جاپان اور چین کی تجارت میں خلل نہ واقع ہو جائے۔

چین اور جاپان کے خوشگوار تعلقات زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکے اور اس کے اسباب یہ ہیں کہ جاپان نے صنعت وحرفت اور تجارت میں

غیر معمولی ترقی کی۔ جاپان کی آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ اور یہ سلسلے ابھی تک
قائم ہیں۔ جاپان کے پاس زمین کی قلت ہے اور اُسے اشیائے خام کی تلاش ہے
اسی کے ساتھ جاپان اپنی مصنوعات کے لئے منڈیوں کی تلاش میں ہے۔ چین میں
وسیع اور زرخیز زمین ہے اور چین کی اشیائے خام کا بہت بڑا حصہ برطانیہ،
ریاستہائے متحدہ اور یورپین اقوام کے حصہ میں آتا ہے۔ چین کی منڈیوں میں
جہاں مصنوعات کے لئے بہت گنجائش ہے، برطانیہ، ریاستہائے متحدہ اور یورپ
کی دول جاپان کا مقابلہ کرتی ہیں۔ جاپان کا دعویٰ ہے کہ ایشیائی ممالک صرف
ایشیا کے لئے ہیں۔ جاپان چاہتا ہے کہ چین پر اقتدار حاصل کر کے وہاں کی
تجارت کے سیاہ و سفید کا مالک بن جائے۔ اس کوشش میں جاپان نے اس
حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ چین اشیائے خام کا "مخزن" اور مصنوعات کے
لئے "منڈی" ہونے کے ساتھ ایک آزاد قوم بھی ہے، ایک تہذیب کی مالک
ہے اور اپنی حریت کے لئے لڑ سکتی ہے۔

جاپان اور چین کی جنگ پہلے کوریا کے سلسلہ میں ہوئی۔ اس جنگ سے
پہلے کوریا میں چین کی باجگذار حکومت تھی۔ مگر کوریا کی حکومت کچھ خراج جاپان
کو بھی ادا کرتی تھی۔ کوریا میں بدنظمی کی وجہ سے ڈاکہ زنی اور بدامنی پھیلی تھی
۱۸۷۳ء میں چین نے اعلان کیا کہ وہ کوریا کی اندرونی یا بیرونی حفاظت
کا ذمہ دار ہوگا اور کوریا کے انتظامی معاملات میں دخل نہیں دے گا۔ ۱۸۷۶ء
میں کوریا اور جاپان کے درمیان ایک صلحنامہ ہوا اور تجارتی و سیاسی تعلقات
دوبارہ قائم ہوئے۔ کوریا کی حکومت بظاہر آزاد تھی لیکن اس میں اتنی قوت

نہیں تھی کہ اندرونی شورشوں کو فرد کر سکے اس لئے چین اور جاپان کو فوجیں کوریا بھیجنی پڑی تھیں کہ انتظامی نقائص دور کر کے نظم ونسق قائم کریں ۱۸۷۶ء کے بعد چین کے علیحدگی کے اعلان کی وجہ سے جاپان کو موقع ملا کہ اپنے اثرات کوریا میں وسیع کرے۔ چین نے محسوس کیا کہ جاپان چاہتا ہے کہ کوریا سے چین کو بالکل علیحدہ کر دے۔ اس لئے دونوں میں کشمکش کا آغاز ہوا اور چین وجاپان نے ایک دوسرے کے اثرات کم کرنے کی کوشش کی۔ اس کشمکش کا فیصلہ ۱۸۹۴ء۔ ۱۸۹۵ء کی چین اور جاپان کی جنگ نے کیا۔ اس جنگ میں جاپان کو کامیابی ہوئی۔ صلح کی اہم شرطیں یہ تھیں کہ کوریا میں جاپان کے چند ملکی حقوق تسلیم کئے جائیں اور کوریا کی آزادی کا چین احترام کرے۔

جاپان اور روس کی جنگ (۱۹۰۴ء-۱۹۰۵ء) کا اثر بھی جاپان اور چین کے تعلقات پر پڑا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ اس جنگ کی وجہ یہ تھی کہ کوریا اور مانچوریا میں روس اپنا اقتدار بڑھانا چاہتا تھا اس جنگ میں جاپان کو کامیابی ہوئی اور جنوبی مانچوریا میں روسی حقوق اور ریلیں جاپان کو دی گئیں۔ اس سلسلہ میں دسمبر ۱۹۰۵ء کے عہد نامہ کی رو سے چین نے یہ تبادلہ اختیارات تسلیم کر لیا اور جنوبی مانچوریا کی ریلوے پر جاپان کو پورے اختیارات دے دیئے۔ اختیارات حاصل کرنے کے بعد جاپان نے بتدریج مانچوریا میں اقتدار ورسوخ بڑھانا شروع کیا۔ چین نے جاپان کے خلاف احتجاج کیا کہ مانچوریا میں اقتدار نہ بڑھائے لیکن کوئی اثر نہیں ہوا۔

۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم کے آغاز کے بعد جاپان اور چین کے تعلقات

بہت خراب ہوگئے۔ جرمن مقبوضات پر قبضہ کرنے کے بعد جاپان نے اکیس مطالبات پیش کئے تھے جن کی ریاستہائے متحدہ نے سخت مخالفت کی۔ جاپان نے اپنے مطالبات کچھ کم کئے اور چین کو الٹیمیٹم دیا کہ اگر مطالبات منظور نہیں کئے گئے تو وہ اعلان جنگ کرے گا۔ چین جنگ کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے مجبوراً اسے جاپان کے سامنے جھکنا پڑا۔ ۱۹۱۷ء میں چین نے جنگ عظیم میں شرکت کی۔ برطانیہ، فرانس اور اطالیہ نے جاپان سے ایک خفیہ معاہدہ کیا تھا جس کی رو سے انھوں نے مطالبات کی صلح کانفرنس میں تائید کی چین نے احتجاج کے طور صلح کانفرنس سے علیحدگی اختیار کی۔ چین میں جاپان کے خلاف مظاہرے کئے گئے اور رائے عامہ جاپان کے خلاف ہوگئی۔ یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ صلحنامہ ورسائی میں شان ٹنگ کے جرمن مقبوضات کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا تھا۔

۱۹۲۱ء کے بعد واشنگٹن کانفرنس کے نتائج کی وجہ سے بظاہر جاپان اور چین کے تعلقات استوار ہونے لگے۔ چین کے متعلق نو حکومتوں کے عہدنامہ (Nine Power Treaty) کی وجہ سے جاپان مجبور تھا کہ چین کے ملکی اور انتظامی حقوق پر دست درازی نہ کرے۔ اور چین کی

آزادی قائم رکھے۔ اسی عہدنامہ کی رو سے جاپان شان ٹنگ کے جرمن مقبوضات سے دستبردار ہوا۔ اور چین کے قبضہ کو تسلیم کر لیا۔ جاپان نے اکیس نکات میں کمی کی لیکن مانچوریا میں اپنی سرگرمیوں کو بدستور جاری رکھا۔

چین کے احتجاج اور کوشش کے باوجود جاپان تیار نہیں ہوا کہ مانچوریا میں اقتدار و رسوخ کو کم کرے۔ مانچوریا میں چینی آبادی بہت زیادہ ہے اس لئے چینی سیاست دانوں کا خیال تھا کہ محض چینی اکثریت کی وجہ سے جاپان مجبور ہو جائے گا کہ مانچوریا سے علیحدگی اختیار کرے۔ مانچوریا میں جاپانی آبادی سرعت سے نہیں بڑھتی۔ حکومت چین نے کوشش کی کہ چین اور مانچوریا کے تعلقات گہرے ہو جائیں تاکہ رفتہ رفتہ آبادی، تہذیب و تمدن اور مذہب کے رشتوں سے دونوں حکومتیں بالکل ایک ہو جائیں اور چین کا حلقہ اثر وسیع ہو جائے۔ چین نے اثر بڑھانے کی ایک اور کوشش یہ کی کہ جنوبی مانچوریا میں ریلوے لائن کی تعمیر شروع کر دی۔ اس پر جاپان نے سخت اعتراضات کئے۔ جاپان نے مانچوریا کی حکومت میں بدانتظامی، رشوت ستانی ڈاکہ زنی اور بداخلاقی کی شکائتیں کیں اور اپنے نقصانات کو واضح کیا۔ بالآخر بدنظمی ختم کرنے کے لئے ستمبر

۱۹۳۱ء میں جاپان نے مانچوریا پر قبضہ کر لیا اور ۱۹۳۲ء
میں وہاں ایک نئی حکومت "مانچوکو" کے نام سے قائم کی۔ چین نے مانچوکو کی نام
نہاد آزاد حکومت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ چین میں جاپان کے خلاف جذبات
کا اظہار کیا گیا اور احتجاج کے لئے ۱۹۳۲ء میں جاپان کا بائیکاٹ کیا گیا۔ جاپان
نے اسے اپنے جائز حقوق پر حملے کے مترادف سمجھا اور شنگھائی میں چینیوں پر حملے
کئے گئے۔ ۱۹۳۲ء میں مجلس اقوام نے جاپان کے خلاف ملامت کی تجویز پاس
کی۔ جاپان نے اس تجویز کے خلاف احتجاج کیا اور مجلس اقوام سے علیحدہ ہو گیا۔ اس
کے بعد ۱۹۳۵ء میں اس نے ۱۹۲۲ء کے عہد نامہ واشنگٹن کو ختم کر دیا اور
بحری قوت میں برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ سے برابری کا دعویٰ کیا۔
مانچوکو کی حکومت جاپان کے زیر اقتدار حسب دستور قائم ہے اور تمام بین الاقوامی
احتجاج جاپان کو مانچوریا سے علیحدہ نہیں کر سکا۔
موجودہ جاپان اور چین کی جنگ کی وجہ سے دونوں ممالک کے تعلقات
کا استوار ہونا قریب قریب ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ جاپان شمالی چین پر قبضہ کر چکا
ہے۔ فی الحال نہیں کہا جا سکتا کہ اس جنگ کا کیا نتیجہ ہو گا۔

جاپان کے اہم مسائل جاپان کی غیر معمولی ترقی کی وجہ سے وہاں کی حکومت
کے سامنے کئی اہم مسائل ہیں مثلاً جاپان کی بڑھتی
ہوئی آبادی کے لئے نوآبادیات کی تلاش، صنعت و حرفت کے لئے اشیائے
خام کا مہیا کرنا اور مصنوعات کی کھپت۔ جاپان کی سیاسی پالیسی پر ان مسائل
کا بہت اثر پڑتا ہے اس لئے ہم ان کا ذکر کریں گے۔

جاپان کی آبادی

جاپان کی آبادی سرعت سے بڑھ رہی ہے۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ یہاں کی آبادی میں ہر سال تقریباً دس لاکھ نفوس کا اضافہ ہوتا رہتا ہے اس لئے لازمی طور سے جاپانی حکومت نوآبادیات کی تلاش میں بہت بے چین ہے۔ ان کا اپنا ملک اس قدر چھوٹا ہے کہ چند سال کے بعد اس رفتار سے بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے بالکل ناکافی ثابت ہوگا جزائر ہونشو (Honshu) کیوشو (Kyushu) اور شیکوکو میں اب مزید آبادی کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ اس لئے جاپانی ماہرین معاشیات و سیاسیات کی نظریں دنیا کے ان حصوں پر لگی ہوئی ہیں جہاں جاپان کی بڑھتی ہوئی آبادی کو مستقبل قریب میں بسایا جا سکے۔

جزائر جاپان کے قرب و جوار میں دو خطے ایسے ہیں جہاں جاپانی آبادی کے ایک مختصر حصہ کو بسایا جا سکتا ہے۔ ان میں سے ایک جزیرہ ہوکیڈو (Hokkaido) ہے جسے آبنائے سنگر (Sangar Str.) جزیرہ ہونشو سے جدا کرتی ہے۔ اور دوسرا جزیرہ سکھالین کا جنوبی حصہ ہے جو جزیرہ ہوکیڈو کے شمال میں واقع ہے۔ ان جزائر میں اس وقت بھی جاپان کے لوگ کسی نہ کسی وسیلے سے آباد ہو رہے ہیں۔ اس کے علاوہ جاپانی مہاجرین نے مانچوکو اور برازیل کا رُخ کیا ہے (نقشہ جاپانی نوآبادکاری ملاحظہ کیجئے) لیکن موخر الذکر دو مقامات میں جاپانی نوآبادکاروں کو چند در چند مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ پہلی مشکل یہ ہے کہ برازیل اور مانچوکو کے باشندے وقتاً فوقتاً جاپانی نوآبادکاروں پر حملہ کر کے لوٹ لیتے ہیں۔ دوسرے چند بیرونی حکومتیں جن کے مفاد

برازیل سے وابستہ ہیں جاپانیوں کی آمد کو بند نہیں کریں اور ان پر پابندیاں عائد کرانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ جزائر ہوکیاڈو اور سکھالین میں اس قسم کی کوئی دقت نہیں اور وہ آسانی کے ساتھ بس سکتے ہیں۔ مگر یہ جزیرے بہت چھوٹے ہیں اور ان میں زیادہ نفوس کی گنجائش نہیں جزیرہ ہوکیاڈو کی آبادی ساٹھ سال کے وقفہ میں تیس لاکھ سے زیادہ ہوگئی ہے اور آئندہ نوآبادکاری کے پروگرام کے مطابق ۱۹۵۶ء تک اس کی آبادی ساٹھ لاکھ ہو جائے گی جزیرہ سکھالین کی موجودہ جاپانی آبادی تقریباً چار لاکھ ہے اور وہاں دو لاکھ نفوس اور آباد کئے جا سکتے ہیں۔

آبادی کی اس سرعت رفتار اور جگہ کی کمی سے متاثر ہو کر جاپان نے ۱۹۳۱ء میں مانچوریا (مانچوکو) پر قبضہ کیا۔ لیکن یہاں بھی زیادہ لوگ آباد نہیں کئے جا سکتے مانچوریا کے شمالی حصہ میں سخت سردی پڑتی ہے اور یہاں کی آب و ہوا اس قابل نہیں کہ چاول پیدا کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ مانچوکو کا کسان بذات خود اس قدر جفاکش اور محنتی ہے کہ جاپانی کسان اس کے مقابلہ میں پنپ نہیں سکتا۔

حکومت جاپان ان حالات کی موجودگی میں آسٹریلیا اور چین پر اپنا اقتدار قائم کر کے بڑھتی ہوئی آبادی کے مسئلہ کو حل کرنے کی فکر میں ہے۔ ان دونوں ممالک سے اور قوموں کے مفاد وابستہ ہیں اس لئے جاپان کو اپنے عزائم کی کامیابی میں زبردست رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

آسٹریلیا میں رقبہ کے تناسب سے بہت کم آبادی ہے۔ اس کا کل رقبہ

۲۹٬۵۰۰۰ مربع میل ہے اور کل آبادی ۱۹۲۱ کی مردم شماری کے مطابق ۵٬۴۲۶٬۰۰۰ نفوس ہے۔ اس طرح آسٹریلیا میں فی مربع میل ۲ر۲ نفوس بستے ہیں۔ آسٹریلیا کی آبادی کا بیشتر حصہ ان انگریزوں پر مشتمل ہے جو ارتکاب جرائم کی پاداش میں اٹھارویں صدی کے آخر میں یہاں بھیجے گئے تھے۔ آسٹریلیا کا بہت بڑا حصہ غیر آباد پڑا ہوا ہے۔ اس لئے ہمیں تعجب نہیں ہوتا جب ہم معلوم کرتے ہیں کہ جاپان کی نظریں اس علاقہ پر لگی ہوئی ہیں۔ اسی کے ساتھ آسٹریلیا اپنی معدنی اور زراعتی دولت کی وجہ سے بہت اہم ہوتا جارہا ہے۔ انگریزوں سے جاپان کے ارادے پوشیدہ نہیں ہیں اور وہ آسٹریلیا کو بڑے سے بڑے حملہ سے محفوظ رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

چین کا مسئلہ بین الاقوامی کشمکش کی وجہ سے بہت اہم ہے۔ یہ ملک بہت گنجان آباد ہے لیکن جاپان کی بہ نسبت یہاں فی مربع میل آبادی کم ہے۔ جاپان میں فی مربع میل آبادی ۴۵۰ اور چین میں ۲ر۱۰۴ نفوس ہے۔ جاپانی نوآبادکاروں کے لئے چین میں زیادہ جگہ نہیں ہے۔ البتہ چین میں جاپانی مال کی کھپت بہت ہو سکتی ہے۔ جاپان کے سامنے صرف آبادی کا سوال نہیں ہے بلکہ مصنوعات کو فروخت کرنے کا مسئلہ بھی بہت مشکل ہوتا جارہا ہے۔ جنگ عظیم کے بعد سے صنعت و حرفت میں جو حیرت انگیز ترقی جاپان نے کی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ مصنوعات کے لئے منڈیاں تلاش کی جائیں ورنہ ملک میں بیکاری بڑھ کر باعث ہلاکت ثابت ہوگی۔ جاپان کے مال کا ایک بڑا حصہ ہندوستان میں فروخت ہو جاتا ہے۔ جاپان کو ہندوستان کے علاوہ

چین نظر آتا ہے جہاں نہ صرف مال فروخت کیا جا سکتا ہے بلکہ اشیائے خام بھی حاصل کی جا سکتی ہیں۔ جاپان کی چین میں موجودہ جدوجہد کا یہ راز ہے کہ چین پر قبضہ کر کے صنعت و حرفت کو محفوظ کرے۔ جاپان کی صنعت و حرفت کے گذشتہ چند سال کے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ وہاں مزدور اور بجلی کے ارزاں ہونے کے باوجود رفتار ترقی رک گئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جاپان کے پاس کوئلہ، لوہا، تیل، کپاس اور اون بہت کم ہیں۔ شمالی چین پر قبضہ ہو جانے کے بعد چند اشیائے خام جاپان کو ملیں گی لیکن اون کے لئے آسٹریلیا کا دست نگر رہنا پڑے گا۔

جاپان کو اشتراکیت کا خطرہ جاپان کے اقتصادی حالات جاپانی کسانوں اور مزدوروں کی مشکلات اور جاپان پر بیرونی اثرات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپانی کسانوں اور مزدوروں میں بے اطمینانی پھیلتی جا رہی ہے اور اشتراکی خیالات کی نشو و نما ہو رہی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جاپان میں شہنشاہ کا اثر بہت زیادہ ہے اور رعایا اپنے حکمراں کو خدا کا نمائندہ تصور کرتی ہے۔ اس کے علاوہ سرمایہ داروں کا اثر حکومت کے کاروبار پر بھی پڑتا ہے اور وہ اشتراکیت کی تبلیغ کی پوری مخالفت کر رہے ہیں ان ہی کوششوں کی ایک نظیر مانچو کو میں نام نہاد آزاد حکومت کا قائم کرنا ہے تاکہ روس اور جاپان کے درمیان ایک فاصل حکومت قائم ہو جائے اور اشتراکیت کی تعلیم عام نہ ہونے پائے۔

جاپان میں طریقہ جاگیرداری (Feudalism) کے بعد سرمایہ داری کا آغاز ہوا اور صنعت و حرفت میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔ لیکن جاپان کی صنعت و حرفت تجارت اور زر دولت کا بیشتر حصہ جاپان کے حسب ذیل آٹھ خاندانوں میں منقسم ہے۔

(۱) اسانو (The Asano)
(۲) متسوبشی (The Mitsubishi)
(۳) متسوئی (The Mitsui)
(۴) سومی ٹومو (The Sumitomo)
(۵) شی بی سوا (The Shibusawa)
(۶) یسودا (The Yasuda)
(۷) اکورا (The Okura)
اور (۸) سوزکی (The Suzuki) ۔

جاپان کے کسان جو چاول اور ریشم پیدا کرتے ہیں غریب ہیں اور مزدوروں کی حالت بھی اچھی نہیں ہے۔ جاپان اگر زراعت پر قانع رہتا تو وہاں معیار زندگی ہرگز بلند نہ ہو سکتا کیونکہ پوری زمین کا (۱/۶) حصہ زراعت کے قابل ہے اس کے علاوہ صنعت و حرفت میں ترقی رک گئی ہے۔ کیونکہ مزدور اور بجلی کے ارزاں ہونے کے باوجود اشیائے خام کی قلت ہے۔ حکومت جاپان کی حربی سرگرمیوں کی وجہ سے جاپانی رعایا کو غیر معمولی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ حکومت جاپان اپنی رعایا کے جذبۂ مخالفت کو برطانیہ کی طرف منعطف

کر چکی ہے جس کی وجہ سے جاپانیوں کی توجہ حکومت کی سرگرمیوں اور اپنی
مصیبتوں سے ہٹ کر برطانیہ کی طرف ہو گئی ہے۔ یہ کوشش زیادہ عرصہ
تک کامیاب نہیں ہو سکے گی اور بہت جلد جاپانیوں پر واضح ہو جائے گا کہ
ان کی مشکلات کی ذمہ دار خود ان کی حکومت ہے۔ جاپان کی بڑھتی ہوئی
آبادی کے لئے قلت مکان۔ بیرونی ممالک میں نسلی امتیاز یا مقامی مخالفت
اور مشکلات اور اسی کے ساتھ خفیہ طریقوں سے روس کا پروپیگنڈا۔ جاپان
کی مشکلات کا حل پیش کرنے میں حکومت کے لئے دشواریاں پیدا کر رہا ہے۔ فی الحال
حکومت جاپان نے رعایا کی بے اطمینانی کے جذبات کو بیرونی دول (بالخصوص
برطانیہ) کی جانب مبذول کر دیا ہے۔ مگر جاپانیوں کو اس دھوکہ میں زیادہ
عرصہ تک نہیں رکھا جا سکتا۔ اکثر ماہرین معاشیات و سیاسیات کا خیال ہے
کہ مزدوروں میں افلاس کسانوں میں ادنیٰ معیار زندگی، آبادی میں زبردست
اضافہ، بے کاری، اخراجات جنگ کا بار، اور اشتراکیت کی تبلیغ۔ یہ تمام
اسباب جاپان میں سرمایہ اور شہنشاہیت کے لئے سم قاتل ثابت ہونگے۔

مانچوریا

مانچوریا کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶۴۴ء
سے قبل اس ملک میں نیم وحشی قبیلے آباد تھے۔ مرکزی حکومت
برائے نام تھی، ہر قبیلہ اپنے معاملات میں قریب قریب خود مختار تھا اور
قبیلہ کا سردار حکومت کے فرائض ادا کرتا تھا۔ ان میں سے ایک قبیلہ مانچو سب
سے زیادہ طاقتور ثابت ہوا اور اس نے مانچوریا کے دوسرے قبیلوں پر اقتدار
حاصل کیا۔ شمال کی طرف سے یہ قبیلے اکثر چین پر حملے کرتے رہتے تھے۔ حکومت چین

اس بدامنی سے بہت پریشان تھی اور اسے اکثر اپنے باشندوں کی حفاظت اور مانچوریا کے رہزنوں کو سزا دینے کے لئے فوجیں بھیجنی پڑتی تھیں۔

سترھویں صدی کے آغاز سے چین میں خاندان منگ کے حکمراں اتنے کمزور ہوگئے تھے کہ ان کی عظمت کا زوال یقینی ہوگیا تھا۔ ۱۶۱۶ء میں خاندان منگ کے حکمراں کے خلاف ایک کامیاب بغاوت ہوئی۔ مانچوریا کے قبیلہ مانچو کے سردار نے چین کی اندرونی شورش سے فائدہ اٹھایا اور چین پر حملہ کردیا۔ قبیلہ مانچو کو زبردست کامیابی ہوئی اور اسی قبیلہ کے سردار نے چین پر قبضہ کرکے ایک نئے خاندان کی حکومت کا آغاز کیا۔ خاندان مانچو کے حکمراں مانچوریا سے آئے تھے، اس لئے انھوں نے مانچوریا کو بھی سلطنت چین میں شامل کرلیا۔ خاندان مانچو کے حکمرانوں نے کوشش کی کہ مانچوریا میں چینی باشندے آباد نہ ہونے پائیں۔ لیکن مانچوریا اور چین کے ایک سلطنت میں ہونے کی وجہ سے چینیوں کی ایک کثیر تعداد مانچوریا میں آباد ہوگئی۔ اس ناکامی کو دیکھ کر حکومت نے مانچوریا میں چینیوں کے داخلہ کی قیود اٹھالیں۔ مانچوریا میں انتظامی ابتری قائم رہی اور چین سے الحاق کے بعد بھی رہزنی میں کمی نہ ہوئی۔ خاندان مانچو کے حکمراں چین کی شاداب اور وسیع سرزمین کے معاملات میں مشغول ہوگئے اور انھیں مانچوریا کے انتظام کی طرف توجہ دینے کا بہت کم موقع ملا۔ رفتہ رفتہ حکومت چین کا اقتدار مانچوریا پر کمزور ہوتا گیا۔ اسی کے ساتھ مانچوریا پر جاپان کا اقتدار بڑھا اور روس کی کشمکش بھی جاری رہی۔ ۹۵-۱۸۹۴ء میں کوریا پر اقتدار کی کوشش میں جاپان اور چین کے درمیان جنگ ہوئی

جس میں چین کو شکست ہوئی اور صلح کی شرائط کے مطابق جزیرہ نما لیا ؤتنگ (جنوبی مانچوریا) جاپان کو دیا گیا۔

اس کامیابی کے بعد روس کو خطرہ کا احساس ہوا کیونکہ روس خود مانچوریا کوریا اور چین پر رسوخ حاصل کرنے کے لئے کوشاں تھا۔ روس نے فرانس اور جرمنی کی مدد سے جاپان کو مجبور کیا کہ وہ جزیرہ نما لیا ؤتنگ چین کو واپس کر دے جاپان کو ہٹا دینے کے بعد روس نے اپنا اقتدار بڑھانے کی کوشش کی۔ اور جزیرہ نما لیا ؤتنگ میں چین سے اجارہ حاصل کیا۔ روس نے مانچوریا میں ریلوے لائن تعمیر کرنے کے حقوق بھی حاصل کئے اس کے بعد روس نے بحری طاقت مضبوط کرنے کے لئے پورٹ آرتھر پر بحری مستقر قائم کیا۔

مانچوریا میں روس کے بڑھتے ہوئے اثر کو دیکھ کر جاپان، ریاستہائے متحدہ، برطانیہ اور جرمنی پریشان ہو رہے تھے۔ جاپان کوریا میں اپنے رسوخ کو قائم رکھنا چاہتا تھا اور روس کی توسیع کو کسی طرح برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ ریاستہائے متحدہ اور بیرونی اقوام اپنے تجارتی مفاد کے لئے خطرہ محسوس کرنے لگیں کیونکہ انھیں خیال ہو گیا تھا کہ روس کا مقصد یہ ہے کہ چین کی بیرونی پالیسی پر حاوی ہو جائے۔ ۱۸۹۹ء میں ریاستہائے متحدہ نے مساوی حقوق تجارت کا اعلان کیا جس کی تمام یورپین اقوام نے حمایت کی۔

پورٹ آرتھر پر روس کے بحری بیڑہ کا قیام جاپان کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ جاپان ہر طرح تیار تھا کہ کوریا میں اپنے مفاد کا تحفظ کرے

کہا جاتا ہے کہ روسیوں نے کوریا میں مظالم اور خلاف قانون حرکات شروع
کیں جن کے خلاف حکومت جاپان نے سخت احتجاج کیا۔ روس اور جاپان
کے تعلقات بگڑتے گئے اور بالآخر ۱۹۰۴ء اور ۱۹۰۵ء میں دونوں
کے درمیان ایک سخت جنگ ہوئی۔ جاپان کو کامیابی ہوئی اور صلحنامہ پورٹسمتھ
کی رو سے روس نے جزیرہ نما لیاؤٹنگ اور جنوبی مانچوریا میں ریلوے کے
حقوق جاپان کے سپرد کئے۔

اس طرح جاپان کو روس اور چین کے خلاف دو لڑائیوں میں کامیابی ہوئی
جاپان کو روس اور چین کی کمزوریوں کا حال معلوم ہوگیا۔ جاپان نے اپنے ارادوں
کو زیادہ وسیع کیا اور مانچوریا پر قبضہ کرنے کے لئے بہانے تلاش کرنے کی کوشش
کی۔ سب سے پہلے جاپان نے سخت شکایات پیش کیں کہ مانچوریا میں چینی
حکومت کا انتظام نہایت ابتر ہے، بدامنی اور ڈاکہ زنی ہوتی ہے اور جاپانی
مفاد خطرہ میں ہے۔ جاپان نے جنگ عظیم کے دوران میں چین کے سامنے
اکیس مطالبات پیش کرکے حکومت چین کو اور زیادہ کمزور کر دیا۔ ریاستہائے
متحدہ کے مسلسل احتجاج اور مساوی حقوق تجارت کے اعلان کے باوجود
جاپان کی پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ چین نے جاپان کی سرگرمیوں کے
خلاف احتجاج کیا کہ مانچوریا میں چینی حقوق پامال کئے جا رہے ہیں اور جاپان
مانچوریا پر تسلط حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ۱۹۲۲ء کے بعد
مانچوریا کے سیاسی مسائل کی وجہ سے چین اور جاپان کے تعلقات بہت
کشیدہ ہوگئے۔ بالآخر ستمبر ۱۹۳۱ء میں جاپان نے یہ الزام قائم کیا کہ چینی

سپاہیوں نے جنوبی مانچورین ریلوے (South Manchurian Ry)
کے ایک حصہ کو تباہ کر دیا ہے۔ جاپان نے مانچوریا پر فوج کشی کا اعلان کر دیا اور
جاپانی فوجوں نے مختصر وقفہ میں مانچوریا کے ایک بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا۔ اور
کچھ عرصہ بعد پورے مانچوریا پر تسلط حاصل کر لیا۔

جاپان نے کوشش نہیں کی کہ مانچوریا کو حکومت جاپان میں شامل
کرے۔ اس کے وجوہ یہ ہیں کہ جاپان دنیا پر ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ جاپان کا
مقصد صرف یہ تھا کہ مانچوریا میں انتظامی ابتری دور کرے اور مانچوریا کو
چینی حکومت کی بد امنی سے نجات دلائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ روسی حکومت
کے اشتراکی اثرات سے جاپانی مزدور اور کسان کو محفوظ رکھنے کے لئے روس
اور جاپان کے درمیان ایک فاصل حکومت (Buffer State)
کا قیام ضروری سمجھا گیا۔ مانچوریا میں ایک نئی حکومت قائم کی گئی اور
ملک کا نام "مانچوکو" رکھا گیا۔ جاپان نے ہنری پوایی (Henry
Pu Yi) کو جو چین کا ایک معزول حکمراں ہے مانچوکو کا بادشاہ
مقرر کیا۔ جاپان نے مانچوریا سے ایک عہدنامہ کیا جس کی رو سے جاپان
کو تجارتی اور سیاسی حقوق دئے گئے۔

مانچوریا پر جاپان کے اس طرح قبضہ کرنے کے بعد چین نے "مجلس اقوام"
میں جاپان کے خلاف احتجاج کیا۔ جاپان اور چین دونوں مجلس اقوام کے
اراکین تھے۔ مجلس اقوام نے طے کیا کہ مانچوریا کے قضیہ کی تحقیق کی جائے
اور تفتیش کے لئے لٹن کمیشن (Lytton Commission) کا

مقرر کیا گیا اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں ستمبر ۱۹۳۱ء سے قبل کے واقعات کی ذمہ داری چین اور جاپان دونوں پر عائد کی لیکن ستمبر ۱۹۳۱ء کے بعد کے تمام واقعات کی ذمہ داری جاپان کے سر رکھی۔ کمیشن نے سفارش کی کہ مانچوریا میں ایک آزاد حکومت چین کے زیر اثر قائم کی جائے اور حکومت کے نظم و نسق کے لئے بیرونی مشیر اور وزرا مقرر کئے جائیں۔ مانچوریا میں جاپانی مفاد کے مد نظر کمیشن نے تجویز کیا کہ جاپان کے حقوق اور مفاد کے تحفظ کے لئے ایک عہدنامہ کیا جائے۔ مجلس اقوام نے کمیشن کی رپورٹ اور سفارشات کو منظور کر لیا لیکن جاپان نے مجلس اقوام کا رکن ہونے کے باوجود سخت مخالفت کی اور سفارشات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور مجلس اقوام کی رکنیت سے بھی استعفیٰ دے دیا۔

جاپان نے مانچوکو کی نام نہاد آزاد حکومت قائم کی جسے دنیا کی اکثر دول نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ مانچوکو کی موجودہ حکومت کے قیام کے بعد مانچوریا میں صنعتی، زراعتی، تجارتی اور انتظامی ترقی کا نیا دور شروع ہوا۔ حکومت مانچوکو نے دعوی کیا کہ چینی صوبہ جہول (Jehol) دراصل مانچوریا میں شامل تھا۔ اس لئے مانچوکو کے ماتحت ہونا چاہیے۔ چین نے اس دعوی کو منظور نہیں کیا۔ مانچوکو نے جاپانی سپاہ کی مدد سے جہول پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد جاپانی فوج پی پنگ پہنچ گئی چین نے مجبور ہو کر صلح کر لی۔ اس طرح صلحنامہ سے چین نے مانچوکو کی حکومت کے قیام کو تسلیم کر لیا ہے۔

مانچوکو اور روس کی سرحد پر اکثر جاپانی اور روسی فوجوں میں
مڈبھیڑ ہوتی رہتی ہے۔ مانچوکو کی سرحد دراصل جاپان کی سرحد ہے اور
آئندہ جاپانی اور روسی فوجوں کا مقابلہ اسی نواح میں ہوگا۔

(۴) برطانیہ اور بحرالکاہل کی سیاست

دنیا کے اور سمندروں کی طرح بحرالکاہل سے بھی برطانیہ کے تجارتی اقتصادی اور سیاسی مفاد وابستہ ہیں۔ جزائر نیوزی لینڈ بحری الکاہل کے جنوبی حصہ میں واقع ہیں اور آسٹریلیا کو بحرالکاہل شمال مشرق کی جانب گھیرے ہوئے ہے۔ ان سے ہٹ کر مغرب کی طرف سنگاپور کا بحری مستقر ہے جو بحرالکاہل کے مفاد کے تحفظ اور دوسرے مشرقی مقبوضات کی حفاظت کے لئے خاص طور پر مستحکم کیا گیا ہے (نقشہ نمبر ۸ اور نمبر ۹ سنگاپور کے محل وقوع کی اہمیت ظاہر کرتا ہے) اس کے بعد شمال مغرب میں چین اور جاپان واقع ہیں اس طرح برطانیہ کے چینی مفاد کا دارومدار بھی بحرالکاہل پر ہے۔ بحرالکاہل کے دوسرے سرے پر برطانوی کولمبیا اور کنیڈا ہیں نقشہ نمبر ۱ اور نمبر ۲ میں جو اعداد و شمار دئے گئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ برطانیہ کا زبردست مفاد بحرالکاہل سے وابستہ ہے اور اس کے تحفظ کے لئے برطانیہ کو بحری، بری اور ہوائی افواج اور آلات حرب کی تیاری میں بے شمار دولت صرف کرنی پڑتی ہے۔ بحرالکاہل کے بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے کپتان کک کے زمانہ سے برطانیہ کے قبضہ میں ہیں۔ ان میں مجمع الجزائر فجی خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کیونکہ یہ بحرالکاہل کے تقریباً وسط میں واقع ہیں اور محل وقوع کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔ ان کے علاوہ اور کئی جزیرے ہیں جو

جو لاسلکی کے سٹیشنوں کا کام دیتے ہیں۔ ان جزیروں میں سے بعض پر جہاز کوئلہ لینے کے لئے ٹھہرتے ہیں۔ تجارتی آمدورفت کے لحاظ سے جزیرہ ہانگ کانگ کا ذکر کرنا ضروری ہے جو چین کے جنوب مشرقی ساحل سے لگا ہوا ہے۔ چین کی تجارت کا بہت بڑا حصہ ہانگ کانگ کی بندرگاہ سے گذرتا ہے۔ جزائر نیوزی لینڈ کے جنوب میں وہیل مچھلیاں پکڑنے کی صنعت بہت ترقی کرتی جا رہی ہے۔ یہ صنعت نیوزی لینڈ کے ہاتھ میں ہے اور اس کی حفاظت کا دارومدار بھی بحرالکاہل کے بحری راستوں پر منحصر ہے۔ بحرالکاہل کے تجارتی راستے چین، جاپان اور فلپائن کو شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ کے مغربی ساحل سے ملاتے ہیں (ملاحظہ ہو نقشہ نمبر ۱۶) امریکہ کی اہم بندرگاہوں میں کینیڈا کی بندرگاہ ونکوور اور ریاستہائے متحدہ کی بندرگاہ سٹیل سین فرانسکو اور لاس انجلیز کا نام لیا جا سکتا ہے۔ بعض تجارتی راستے شمال میں جزائر الوشین اور بعض ہانولولو سے گذرتے ہیں ان کے علاوہ بعض تجارتی راستے امریکہ کی بندرگاہوں یا نہر پناما سے براہ راست جزائر فی جی، نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا پہنچتے ہیں۔ ہم دیکھیں گے کہ برطانیہ نے اپنے مفاد کے لئے نہایت دوراندیشی سے کام لیا ہے اور برطانیہ کے مقبوضات ہزارہا میل کے فاصلہ پر ہونے کے باوجود دشمن کے مقابلہ کے لئے پوری طرح تیار رہتے ہیں۔

سلطنت برطانیہ کو جنگ کے خطرات دنیا کی موجودہ سیاسی فضا میں برطانیہ کے لئے تمام مقبوضات کا تحفظ ۱۹۱۴ء کی بہ نسبت بہت زیادہ مشکل ہے۔ مثلاً ۱۹۱۴ء میں جاپان کی دوستی کی

وجہ سے حکومت برطانیہ کو بحر الکاہل میں کسی مقابلہ کی فکر نہیں تھی۔ اسی طرح
بحیرۂ روم میں کسی بڑی قوت کا مقابلہ نہیں کرنا تھا۔ اس لیئے برطانیہ کے بحری
بیڑہ نے جرمنی کے حملوں کا کامیابی سے مقابلہ کیا تھا۔ برطانیہ اور جاپان کے خوشگوار
تعلقات کا خاتمہ ہو چکا ہے اور جاپان کی طرف سے پے در پے ایسے واقعات
ہو رہے ہیں جو ان کے درمیان جنگ شروع کرنے کے لیئے کافی ہیں۔ مثلاً
برطانوی سفیر پر جاپانی ہوائی جہازوں کا قاتلانہ حملہ اور ٹینٹسن (Tientsin)
میں انگریزوں پر سختیاں اور حد درجہ ہتک آمیز برتاؤ۔ ان واقعات کے باوجود
برطانیہ دوراندیشی کے باعث خاموش ہے اور جاپانی حکومت کے سامنے لفظی
احتجاج پر اکتفا کر رہا ہے۔ بحیرۂ روم میں اطالیہ کا بحری بیڑہ ہے اور مالٹا پر
حربی ذمہ داری زیادہ ہو گئی ہے۔ ہسپانیہ میں فرنیکو کی حکومت اطالیہ اور
جرمنی کی ہمدرد ہے ان وجوہ کی بنا پر بحیرۂ روم میں بھی برطانیہ کو مخالفت کا
سامنا کرنا ہے۔ نہر سویز پر اطالیہ کے حملے کے امکانات ہیں جس کی وجہ سے نہر
سویز سے آمد و رفت مشکل ہو جائے گی۔ بحیرۂ شمالی اور بحر اوقیانوس میں برطانوی
جہازوں کے غرق ہونے کی خبریں برابر آ رہی ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جرمنی
کے جنگی جہاز بحر الکاہل میں برطانیہ کی تجارتی آمد و رفت کو تباہ کرنے کے لیئے
نقل و حرکت کر رہے ہیں۔ برطانیہ کے لئے تجارتی راستوں اور تجارتی جہازوں
کی حفاظت کا سوال بہت اہم ہے۔ ان حالات میں برطانوی مقبوضات
کو جو برطانیہ سے دور دراز فاصلہ پر بحر الکاہل میں واقع ہیں دشمن کے حملہ
سے بچانا اور زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔ برطانیہ کی یہ کوشش رہی ہے کہ کنیڈا،

---

(۱) اور جنگ کی موجودہ ضرورت کے لحاظ سے کسی قدر بے سود بھی۔

آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور دوسرے مقبوضات اپنی مدافعت کے لئے خود ہر طرح تیار ہو جائیں۔ ہم دیکھیں گے کہ بحرالکاہل میں برطانیہ کا یہ طرزِ عمل کس حد تک کامیاب ہوا ہے۔ اس ضمن میں کنیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور دیگر برطانوی مقبوضات کے حالات پر بحث کی جائے گی اور ان کی بحری، ہوائی اور بری قوت کا ذکر کیا جائے گا۔ یہ نہایت دلچسپ حقیقت ہے کہ سلطنت برطانیہ کے مختلف قوی اپنی مدافعت کی تیاری علیحدہ علیحدہ کرتے ہیں لیکن جنگ کے موقع پر تمام قوتیں یکجا ہو کر ایک دوسرے کو بچانے کی فکر کرتی ہیں۔ گذشتہ جنگ عظیم میں کنیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور ہندوستان نے برطانیہ کی بہت امداد کی حالانکہ ان میں سے کسی پر حملہ کا امکان نہیں تھا، اسی کے ساتھ یہ ممالک اپنی جگہ بیرونی حملہ سے مدافعت کے لئے بھی تیار تھے۔ یورپ کی موجودہ جنگ میں بھی اسی طرزِ عمل کا اعادہ ہو رہا ہے۔

کنیڈا کو بحرالکاہل اور بحر اوقیانوس میں سات ہزار میل لمبے ساحل بندرگاہوں اور تجارتی راستوں کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ آسٹریلیا کے ساحلی علاقہ کی لمبائی دس ہزار میل ہے اور اس وسیع ساحل کو بیرونی حملہ کی صورت میں صرف آسٹریلیا کی موجودہ بحری اور ہوائی قوت سے بچانا شاید ممکن نہ ہو۔ آسٹریلیا کے ساتھ نیوزی لینڈ کی مدافعت کا سوال بھی ہے۔ ان دونوں مقبوضات کی حکومتیں علیحدہ ہیں اور ان کی بحری، ہوائی اور بری افواج بھی ایک دوسرے سے بالکل آزاد ہیں۔ چونکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے بہت قریب واقع ہوئے ہیں، بیرونی حملہ دونوں پر ایک ہی وقت

میں ہو سکتا ہے اور مدافعت کے لئے یہ ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں۔ اس لئے
جنگی تیاری میں یہ دونوں خطے تعاون عمل کر رہے ہیں کہا جاتا ہے کہ جزائر برطانیہ
کی مشرقی سرحد دریائے رائن پر ہے۔ اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ مدافعت
کے اعتبار سے آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی مغربی سرحد بندرگاہ ڈاروں سے
شروع ہو کر سنگاپور، برما، ہندوستان اور مصر سے گذرتی ہے۔

ہم کنیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے تاریخی حالات، اقتصادی مفاد
اور حربی اہمیت پر علیحدہ علیحدہ روشنی ڈالیں گے۔

کنیڈا

کنیڈا کی مدافعت کا سوال برطانوی مقبوضات میں خاص اہمیت رکھتا
ہے کیونکہ یہ برطانیہ کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ قدیم
ملکیت ہے۔ ابتدا میں کینڈا پر تسلط قائم رکھنے کے لئے برطانیہ کو بڑی مخالفت
اور جنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ کینڈا کے قدیم باشندوں نے برطانیہ کی سخت
مخالفت کی۔ اس کے بعد فرانسیسیوں سے مقابلہ ہوا۔ جنوبی کنیڈا میں برطانیہ
کے اقتدار کے خلاف ایک بغاوت ہوئی۔ اس بغاوت کو فرد کرنے کے بعد
برطانوی افواج دم لینے بھی نہ پائی تھیں کہ ایک مرتبہ اور قدیم باشندوں نے
برطانیہ سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی اور برطانیہ کو اپنا اقتدار قائم
رکھنے کے لئے جنگ کرنی پڑی۔ ان شورشوں کو فرد کرنے میں برطانوی افواج
کو بہت قربانیاں کرنی پڑیں اور انھوں نے بہت بہادری سے اس خطہ کو برطانیہ
کے ماتحت رکھا۔ ان خانہ جنگیوں سے فرصت حاصل کرنے بعد حکومت نے
کنیڈا کے جنگلی، غیر شاداب اور غیر آباد علاقوں میں امن و چین اور تہذیب

پھیلانے کی کوشش کی۔ ریاستہائے متحدہ میں بھی خانہ جنگیوں کا خاتمہ ہوا اور امن و امان قائم ہوا۔ کینیڈا اور ریاستہائے متحدہ کے تعلقات خوشگوار ہوتے گئے اور کینیڈا کو جنوب سے حملہ کا ڈر کم ہو گیا۔ ریاستہائے متحدہ کے سامنے اپنے مسائل تھے۔ اُسے شمال کی طرف سے حملہ کا ڈر نہیں تھا اس لئے شمالی امریکہ کے دونوں خطّے زراعت اور صنعت و حرفت کی ترقی میں مصروف ہوئے۔ کینیڈا کو باہر سے حملہ کا ڈر نہیں تھا کیونکہ اس کے مشرق و مغرب کی طرف وسیع سمندر ہیں اور شمال میں برفستانی علاقہ ہے۔ دو ہمسایہ حکومتوں میں خوشگوار تعلقات کا دور شروع ہوا جو برابر قائم ہے اور اس عرصہ میں علم و ہنر اور صنعت و تجارت میں ریاستہائے متحدہ اور کینیڈا نے جو ترقی کی اس کی مثالیں دنیا کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں۔

کینیڈا نے جنگی تیاری کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی کیونکہ بیرونی حملہ سے بچنے کے لئے وہ برطانیہ کے بحری بیڑہ کو کافی سمجھتا تھا۔ گذشتہ جنگ عظیم کے بعد کینیڈا کو احساس ہوا کہ اُسے اپنی بحری، بری اور ہوائی قوت کو بڑھانے کی سخت ضرورت ہے۔ اس احساس کے باوجود عالمگیر امن کی کوشش میں کینیڈا نے وہی کیا جو برطانیہ اور دوسرے دول یورپ نے کیا۔ کینیڈا مجلس اقوام کا رکن بن گیا اور اسلحات جنگ کو کم کرنے کی کوشش کی تاکہ عالمگیر جنگ کے امکانات کم ہو جائیں۔ کینیڈا کی بیرونی پالیسی برطانیہ کے زیر ہدایت ہے وہاں کی رائے عامہ نے بھی ہمیشہ برطانیہ کا ساتھ دیا لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کینیڈا کی رائے عامہ اکثر ریاستہائے متحدہ کی سیاسی پالیسی اور رائے عامہ

سے متاثر ہوتی رہی۔ کم از کم ایک مثال ہم پیش کر سکتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے
کہ کینیڈا نے ریاستہائے متحدہ سے متاثر ہو کر برطانیہ کی مخالفت کی اور برطانیہ
کو سیاسی پالیسی بدلنے پر مجبور کیا۔ ۱۹۲۱ء میں آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی
کوشش سے امکان تھا کہ برطانیہ اور جاپان میں ایک معاہدہ ہو جائے
یہ کہنا مشکل ہے کہ اس معاہدہ کا بحر الکاہل کے برطانوی مقبوضات اور اقتصادی
مفاد پر کیا اثر پڑتا لیکن آسٹریلیا، نیوزی لینڈ کی حکومتیں اور رائے عامہ جو معاہدہ
کی حامی تھیں، ظاہر کرتی ہیں کہ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ جاپان کے خطرہ کو
کم کرنے کے لیے اس صلحنامہ کے موافق تھے ریاستہائے متحدہ اس معاہدہ کا سخت
مخالف تھا۔ اس کا اثر کینیڈا پر ہوا اور کینیڈا نے بھی مخالفت کی۔ کینیڈا کے
آخرت مجبور ہو کر برطانیہ نے جاپان سے عہدنامہ کرنے سے انکار کر دیا۔

۱۹۲۳ء کی امپیریل کانفرنس (Imperial Conference)

میں ایک تجویز پاس ہوئی جس کی رو سے برطانوی مقبوضات کی بنیادی ذمہ
داری یہ ہے کہ ہر ملک خود اپنی مدافعت کا اہتمام کرے۔ کینیڈا کے رویہ
میں نمایاں تغیر ہوا اور یہ معلوم ہونے لگا کہ کینیڈا اپنے آپ کو ریاستہائے متحدہ
اور امریکہ کے دوسرے ممالک سے برطانیہ کی بہ نسبت زیادہ متعلق سمجھتا
ہے اسی کے ساتھ بین الاقوامی واقعات پیش آئے اور برطانیہ کی خارجی پالیسی
کمزور ہوتی گئی۔ مجلس اقوام کے وقار کو یکے بعد دیگرے صدمے پہنچے۔ کینیڈا
میں یہ خیال بڑھتا گیا کہ اس کے تحفظ کا دارومدار صرف برطانیہ کی بحری قوت
پر نہیں ہے بلکہ ریاستہائے متحدہ کی دوستی بھی ایک بڑی چیز ہے اس لئے کہ

ریاستہائے متحدہ اصول منرو Monroe Doctrine کے مطابق کنیڈا کی بیرونی حملہ سے مدافعت میں، بحرالکاہل اور بحر اوقیانوس میں مدد کریگا۔ یورپ میں جرمنی اور اطالیہ اور بحرالکاہل میں جاپان کی سرگرمیوں نے کینیڈا پر واضح کر دیا ہے کہ دور و دراز فاصلہ کے باوجود اس پر حملے ہو سکتے ہیں اور اس کی تجارت کو سخت نقصان پہنچ سکتا ہے۔ برطانیہ اور کینیڈا کے تعلقات حکومت کے علاوہ، تمدنی اور معاشرتی، تجارتی اور اقتصادی ہیں اور یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ کینیڈا اس گہرے رشتہ کو توڑ دے گا۔ شہنشاہ جارج ششم اور ملکہ الزبتھ کے سفر سے کینیڈا اور برطانیہ میں خوشگوار تعلقات کی تجدید ہوئی ہے موجودہ جنگ یورپ میں کینیڈا اپنی تمام قوتوں کے ساتھ برطانیہ کے ساتھ ہے۔ اگر آئندہ بحرالکاہل میں برطانیہ کو جنگ میں شامل ہونا پڑا تو کینیڈا اسی طرح اتحاد عمل کرے گا۔ کیونکہ اسی ایک طریقے میں سیاسی اور اقتصادی مفاد کا تحفظ پوشیدہ ہے۔

آسٹریلیا مشرقی ممالک سے تجارت کے دوران میں جہازرانوں نے آسٹریلیا کو اتفاق سے دریافت کیا اس کی داستان بہت دلچسپ ہے بحرالکاہل کے جنوبی علاقہ میں بحری ڈاکوؤں کی سرگرمیاں جاری تھیں ۱۶۸۸ء میں ایک بحری ڈاکو نے آسٹریلیا میں پناہ لی۔ غالباً یورپ کا یہ پہلا نمائندہ تھا جس نے سرزمین آسٹریلیا پر قدم رکھا۔ اس کے بعد ۱۷۷۰ء میں کپتان جیمس کک نے آسٹریلیا کے مشرقی ساحل کا جائزہ لیا اور آسٹریلیا کے مشرقی علاقہ پر برطانیہ کے نام سے قبضہ کرنا شروع کیا۔ آسٹریلیا میں آبادی نہایت کم

تھی اور تمام ملک میں دور وحشت کی یادگاریں ملتی تھیں۔ آسٹریلیا کو آباد کرنے کا سوال بہت مشکل تھا کیونکہ برطانیہ سے ہزارہا میل دور جانے کے لئے بہت کم لوگ تیار ہوتے تھے اسی زمانہ میں امریکہ کے انقلاب کے بعد انگلستان کے سامنے دو مسئلے تھے۔ ایک یہ کہ وفادار امریکن باشندوں کو جنہوں نے امریکہ کے انقلاب میں برطانیہ کا ساتھ دیا تھا کہاں آباد کیا جائے، چونکہ انقلاب کامیاب ہوا تھا، برطانیہ کے ان وفادار ساتھیوں کے لئے ریاستہائے متحدہ میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ یہ باشندے مفلوک الحال اور غریب تھے اس لئے برطانیہ کے لئے بارگراں ثابت ہو رہے تھے اور حکومت اس فکر میں تھی کہ ان دوستوں کے نقل وطن کے لئے ملک تلاش کرے، دوسرا سوال یہ تھا کہ مجرموں کو انگلستان سے باہر بھیجنے کے لئے کونسی جگہ انتخاب کی جائے۔ انگلستان کے ارباب حل و عقد کے سامنے بیک وقت آسٹریلیا کو آباد کرنے اور وفادار دوستوں اور مجرموں کے لئے نوآبادی کی تلاش کے مسائل پیش آئے۔ بظاہر وفادار ساتھیوں اور مجرموں کو ایک نوآبادی میں رکھنا تعجب خیز معلوم ہوتا ہے لیکن مجبوری کی وجہ سے اس ناپسندیدہ تجویز پر غور کیا گیا اور بالآخر حکومت برطانیہ نے طے کیا کہ آسٹریلیا کا براعظم ان دونوں جماعتوں کے لئے وقف کر دیا جائے چنانچہ ۱۷۸۸ء میں مجرموں، محنت رہنے والوں اور چند افسروں کی ایک کثیر تعداد آسٹریلیا بھیجی گئی۔ کیپٹن آرتھر فلپ آسٹریلیا کا پہلا گورنر مقرر کیا گیا۔

رفتہ رفتہ تمام آسٹریلیا کی چھان بین کی گئی اور ۱۸۲۶ء میں پورے آسٹریلیا پر برطانیہ کا قبضہ ہو گیا۔ تحقیق و تفتیش کے بعد معلوم ہوا کہ اس براعظم

کے مخصوص خطوں میں زراعت کی ترقی کے امکانات ہیں اور معدنی دولت بھی بہت زیادہ ہے۔ آسٹریلیا میں محنت رہنے والوں کی تعداد بڑھنے لگی اور انھوں نے بتدریج محسوس کیا کہ انگلستان سے مجرموں کا آسٹریلیا میں آباد کرنا ہتک آمیز ہے لیکن برطانوی حکومت اپنے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکی۔

آسٹریلیا کو انتظامی امور کی آسانی کے لئے چھ حصوں (ریاستوں) میں تقسیم کیا گیا۔ ہر ریاست اپنے اندرونی انتظام میں بالکل آزاد تھی۔ آسٹریلیا کے باشندوں کو اپنے مسائل خود حل کرنے کا موقع دیا گیا۔ صرف بیرونی پالیسی برطانیہ کے ماتحت تھی۔ سن۱۸۴۱ء اور سن۱۸۵۱ء کے درمیان آسٹریلیا میں سونا دریافت ہوا اور دنیا کے اکثر حصوں سے لوگ آسٹریلیا میں آباد ہونے لگے سونا نکلنے کی وجہ سے آسٹریلیا کی دولت میں اضافہ ہوتا گیا اور صنعت وحرفت اور تجارت میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔ آسٹریلیا کی وسیع چراگاہوں میں مویشی اور بھیڑیں پالی گئیں اور اون کی تجارت شروع کی گئی۔ اون کی تجارت کے لئے آسٹریلیا بہت مشہور ہوتا جا رہا ہے۔ یہاں زراعت کو فروغ دیا گیا تاکہ اکثر ضروریات زندگی آسٹریلیا خود مہیا کر سکے۔ زراعت کی ترقی کے ساتھ ساتھ آسٹریلیا کی آبادی بڑھتی گئی، لیکن ایشیائی باشندوں پر قانونی بندشوں کی وجہ سے یہاں کی آبادی اس زمانہ میں بھی بہت کم ہے۔ سن۱۹۳۱ء کے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ وہاں فی مربع میل آبادی صرف ۲،۲ ہے۔ آسٹریلیا میں آبادی کو فروغ دینے، زراعت اور صنعت وحرفت کو بڑھانے کے بہت امکانات ہیں۔ برطانیہ نے آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کو سفید اقوام کے

لئے مخصوص کر دیا ہے۔ اس لئے ان ممالک میں ترقی کی رفتار سست ہے جاپان اور چین میں گنجان آبادی ہے اور جاپان کو اشیائے خام کی بہت سخت ضرورت ہے۔ ان حالات میں ہمیں تعجب نہیں ہوتا جب ہم دیکھتے ہیں کہ جاپان کی نظریں آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ پر پڑتی ہیں، کیونکہ جاپانیوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے جغرافیائی اعتبار سے چین کے بعد آسٹریلیا سے زیادہ قریب اور کوئی نوآبادی نہیں ہو سکتی۔

آسٹریلیا کی حکومت اکثر معاملات میں آزاد ہے لیکن برطانیہ سے تعلقات بہت پختہ ہیں اور بیرونی پالیسی برطانیہ کے زیر ہدایت ہے جنگ اور مدافعت کے معاملے میں انگلستان اور تمام مقبوضات ایک ہو جاتے ہیں ممکن ہے کسی وقت آسٹریلیا پر جاپان حملہ کرے لیکن برطانوی قوت کے مقابلہ میں جاپان کو کامیابی کی امید بہت کم ہے۔

نیوزی لینڈ

آسٹریلیا کی طرح نیوزی لینڈ کے جزائر بھی زمانہ حال کی دریافت ہیں، ابتدائی ولندیزی اور برطانوی جہازرانوں نے سترھویں صدی میں نیوزی لینڈ دریافت کیا تھا لیکن نوآبادی یا حکومت قائم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ۱۶۴۲ء میں تسمان ان جزیروں پر پہنچا اور اٹھارویں صدی میں کپتان کک نے ان جزیروں کو دوبارہ دریافت کیا ۱۷۶۹ء میں کک نے ان جزیروں کے مشرقی حصہ کا جائزہ لیا اور برطانیہ کے قبضہ کا اعلان کر دیا۔ نیوزی لینڈ بھی قریب قریب غیر آباد تھا نوآبادی قائم کرنے کی مشکلات یہاں بھی پیش آئیں۔ آسٹریلیا کی طرح

نیوزی لینڈ میں بھی مجرم آکر بسنے لگے۔ سن ۱۸۴۰ء تک یہاں برطانوی اقتدار غیر مستقل تھا۔ فرانسیسی مبلغ سن ۱۸۳۸ء میں نیوزی لینڈ آئے اور یہاں کے باشندوں میں عیسائیت کی تبلیغ شروع کی۔ برطانیہ کی لاپروائی دیکھ کر سن ۱۸۳۹ء میں فرانس نے کوشش کی کہ نیوزی لینڈ پر قابض ہو جائے اس وقت برطانیہ چند اہم بین الاقوامی معاملات کی طرف متوجہ تھا اور ارباب حکومت کو ان دور دراز اور غیر آباد جزیروں کے کاروبار اور انتظام میں دخل دینے کی فرصت نہیں تھی لیکن فرانس کی کوشش کا نیوزی لینڈ کی برطانوی آبادی نے سختی سے مقابلہ کیا۔ نیوزی لینڈ کمپنی نے لندن میں برطانوی حکومت پر دباؤ ڈالا۔ جب معاملات اس حد تک پہنچ گئے کہ برطانیہ کی غفلت سے نیوزی لینڈ پر ایک بیرونی حکومت (فرانس) کے قبضہ کا امکان ہوا تو برطانوی حکومت نے توجہ کی۔ سن ۱۸۴۰ء کے اعلان کے مطابق نیوزی لینڈ ملکہ وکٹوریہ کی سلطنت میں شامل کیا گیا۔ سلطنت برطانیہ میں شمولیت کے بعد سن ۱۸۴۱ء میں برطانوی مبلغ نیوزی لینڈ آئے اور عیسائی مذہب کی تبلیغ یہاں کے قدیم باشندوں میں کرنے لگے۔

سن ۱۸۴۰ء کے بعد سے نیوزی لینڈ میں زراعت اور وہیل مچھلیوں کے شکار اور تجارت میں نمایاں ترقی ہوئی۔ برطانیہ سے تعلیم یافتہ اور معزز باشندے نیوزی لینڈ میں آباد ہونے کے لئے بھیجے گئے تاکہ اس نوآبادی کا درجہ بلند کیا جا سکے۔ نیوزی لینڈ دوسرے ممالک سے بہت دور واقع ہے اس لئے کوشش کی گئی کہ تمام ضروری اشیاء نیوزی لینڈ میں مہیا کی جا سکیں۔

زراعت میں بہت ترقی ہوئی۔ مویشی اور بھیڑیں پالی گئیں اور اون، دودھ، مکھن اور پنیر کی تجارت شروع کی گئی اس تجارت کو بہت فروغ حاصل ہوا ہے اور آج کل نیوزی لینڈ دنیا کے بڑے بڑے ممالک کو دودھ مکھن اور پنیر مہیا کرتا ہے۔ ۱۸۵۰ء میں نیوزی لینڈ میں کوئلہ دریافت ہوا اور صنعت و حرفت کو رائج کرنے کے لئے چند تجربے کئے گئے جن میں کامیابی ہوئی۔

آب و ہوا کی موزونی اور زراعت کی ترقی کی وجہ سے نیوزی لینڈ کی آبادی بڑھ گئی۔ ۱۸۶۱ء اور ۱۸۷۰ء کے درمیان یہاں کی آبادی ایک لاکھ سے دو لاکھ پچاس ہزار ہو گئی۔ ۱۹۲۳ء کے اعداد و شمار کے مطابق نیوزی لینڈ میں فی مربع میل آبادی ۴۰ء۹۰ ہے جو آسٹریلیا سے بہت زیادہ ہے، لیکن نائجیریا، چین، جاپان، فلپائن اور ایشیائی ممالک کی بہ نسبت بہت کم ہے نیوزی لینڈ میں بھی ایشیائی باشندوں کی آمد پر وہی سختیاں عائد کی گئی ہیں جو آسٹریلیا، کنیڈا اور ریاستہائے متحدہ میں ہیں۔

نظام حکومت کے اعتبار سے نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا ایک دوسرے سے بالکل آزاد ہیں اور ہر ایک کا تعلق براہ راست برطانوی حکومت سے ہے۔ نیوزی لینڈ کی حکومت اندرونی کاروبار میں بالکل آزاد ہے ۱۸۴۶ء میں برطانیہ نے نیوزی لینڈ کے لئے ایک دستور اساسی منظور کیا جس میں ۱۸۵۳ء اور ۱۸۷۵ء میں چند تبدیلیاں کی گئیں اور موجودہ حکومت اسی دستور اساسی کے ماتحت کام کر رہی ہے۔ نیوزی لینڈ میں زراعت صنعت و حرفت اور تجارت کو فروغ دینے کے لئے انوکھے تجربے کئے گئے

جن کا مطالعہ بہت دلچسپ ہے۔ اسی کے ساتھ اقتصادی، آئینی اور سماجی
مشکلات کو رفع کرنے کے لئے کوششیں جاری ہیں، نیوزی لینڈ میں اشیائے
خام موجود ہیں اور وہ مصنوعات میں کسی بیرونی ملک کا دست نگر نہیں
ہے بعد ۱۹۲۱ء کے بعد نیوزی لینڈ کو چند اقتصادی مشکلات کا سامنا کرنا
پڑا۔ اشیائے برآمد مثلاً دودھ۔ مکھن اور اون کی قیمتیں بہت گھٹ گئیں
اور نیوزی لینڈ کی اشیائے برآمد سے آمدنی بھی کم ہو گئی۔ مشینوں کے استعمال
سے ملک میں بے کاری بڑھ گئی ہے اور حکومت کو مسئلہ بیکاری کا سامنا کرنا ہے
بیرونی حملے سے بچنے کے لئے آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ نے اشتراک عمل
کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان جزائر پر بیرونی حملہ کا خطرہ ہے۔ لیکن
حملہ کی صورت میں امریکہ برطانیہ کا ضرور ساتھ دے گا اور حملہ آور کامیاب نہ
ہو سکے گا۔

آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی مدافعت بیسویں صدی سے پہلے آسٹریلیا
اور نیوزی لینڈ کو بحری اور
ہوائی حملہ سے محفوظ رکھنے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ جاپان
کے پاس بحری اور بری فوجیں تھیں لیکن ان کا ہونا نہ ہونا تقریباً یکساں تھا
اس سے قبل آسٹریلیا کو بالکل محفوظ براعظم خیال کیا جاتا تھا اور یہ سمجھا جاتا تھا
کہ اس قدر دور دراز فاصلہ پر کسی دشمن کو پہنچنے کی جرأت نہ ہوگی۔ لیکن آسٹریلیا
کی معدنی اور زرعی پیداوار کی افراط اور جاپان کی بڑھتی ہوئی قوت دیکھ
کر یہ خیال دور ہو گیا اور آسٹریلیا کی حفاظت کی تشویش ہوئی۔ جنگ عظیم

سے چند سال قبل لارڈ کچنر آسٹریلیا گیا۔ یہ سفر بہت نتیجہ خیز ثابت ہوا۔ مدافعت کے طریقوں میں اہم تبدیلیاں کی گئیں۔ بری اور بحری فوج کو بڑھایا گیا اور پورے براعظم کو بیرونی حملہ سے بچانے کے انتظامات کئے گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ عظیم کے دوران میں آسٹریلیا نے برطانیہ کی امداد کی اور ساتھ ہی اپنی مدافعت کے لئے ایک حد تک تیار رہا۔ جنگ عظیم کے دوران میں آسٹریلیا کے بحری اور بری استحکامات مکمل نہیں تھے، کیونکہ اول تو اس براعظم کی دوری کی وجہ سے اس پر بہت کم حملے کئے گئے، دوسرے جاپان جنگ عظیم میں برطانیہ کے ساتھ تھا اور جاپان کے حملہ کا کوئی امکان نہیں تھا۔

جنگ عظیم کے بعد حالات میں تبدیلی ہوئی۔ جاپان کا خطرہ روز بروز بڑھنے لگا اور معقول اور پائدار مدافعتی انتظام کی ضرورت کو سختی سے محسوس کیا گیا۔ لیکن ۱۹۳۱ء تک کوئی معقول انتظام نہیں کیا گیا۔ ۱۹۳۱ء کے بعد آسٹریلیا کی حکومت نے مدافعتی تجاویز پر غور کیا اور ۱۹۳۲ء سے ایک پروگرام پر عمل شروع کیا جس کے مطابق ۱۹۳۷ء تک آسٹریلیا کی بحری، ہوائی اور بری قوت میں بہت اضافہ ہو گیا۔ اس پروگرام کی تکمیل میں دو کروڑ بیس لاکھ پونڈ خرچ کر کے مختلف حربی شعبہ جات کی تنظیم کی گئی نئی تنظیم کے مطابق ساحل کی حفاظت کے لئے چار کی بجائے نو جنگی جہاز متعین کئے گئے۔ بحری افواج اور افسروں کی تعداد تین ہزار ایکسو ساٹھ (۳۱۶۰) سے بڑھا کر چار ہزار دو سو نوے (۴۲۹۰) کی گئی ہے قریب

قریب تمام بندرگاہوں پر ۲ ر ۹ انچ کی توپیں نصب کی گئیں اور بندرگاہ ڈاروِن میں ایک مستقل بحری دستہ رکھا گیا۔ اسی کے ساتھ بری قوت کو بھی بڑھایا گیا اور آسٹریلیا کے جنگی ہوائی جہازوں کی تعداد دگنی کی گئی۔
ہر سال آسٹریلیا کی حکومت اپنے فوجی اخراجات کے لئے زیادہ سے زیادہ رقم علیحدہ کرتی ہے۔ مثلاً ۱۹۳۷ء کے بجٹ میں فوجی اخراجات کا تخمینہ ایک کروڑ پندرہ لاکھ اکتیس ہزار (۰۰۰ ۱۱۵۳۱) پونڈ تھا حالانکہ اس سے پہلے تین سال کا اوسط خرچ صرف ۷۰ لاکھ پونڈ تھا۔ فوجی اخراجات کے لئے یہ رقم آسٹریلیا کی آبادی کو دیکھتے ہوئے بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ۱۹۳۷ء کے تخمینہ کا ایک تہائی حصہ بحری قوت پر خرچ کیا گیا۔ آسٹریلیا کے جدید مدافعتی تخمینہ کی خصوصیت یہ ہے کہ بحری طاقت کو بڑھانے کے لئے بہت زیادہ رقم علیحدہ کی گئی ہے۔ کیونکہ حکومت آسٹریلیا کو یقین ہے کہ اس کی بیرونی تجارت اور بحری راستوں کی حفاظت نہایت اہم ہے۔ آسٹریلیا ہر سال تقریباً تیس کروڑ پونڈ کا مال باہر بھیجتا ہے اور اس کی تجارت دنیا کے تمام اہم ممالک سے ہے۔ ایسی صورت میں بیرونی تجارت کی حفاظت آسٹریلیا کا فرض اولین ہے۔
بحری قوت کو مستحکم کرنے کے لئے ہوائی قوت کو بھی اسی تناسب سے بڑھایا گیا۔ ایک بہت بڑی رقم خرچ کر کے نئے قسم کے ہوائی جہاز خریدے گئے ہیں۔ ہوائی فوج اور افسروں کی تعداد ۲۰۴۲ کر دی گئی ہے اور ابھی اس میں اضافہ کی بہت گنجائش ہے۔ ہوائی طاقت کو وسیع

کرنے کا ایک جدید پروگرام حکومت کے سامنے ہے۔ جس کے مطابق ہوائی فوج کو تین گنا زیادہ کیا جائے گا اور کئی نئے ہوائی مستقر کھولے جائیں گے اور ہوائی جہاز آسٹریلیا کی حفاظت کرنے میں بحری جہازوں کی امداد کریں گے۔ اس کے علاوہ اسلحہ سازی کے چند کارخانے قائم کئے جائیں گے تاکہ اسلحات کے لئے بیرونی ممالک پر دارومدار نہ ہو۔ ان کارخانوں سے نیوزی لینڈ اور دوسرے مقبوضات کو بھی اسلحات مہیا کئے جائیں گے۔

آسٹریلیا کی طرح نیوزی لینڈ کی بحری اور بری افواج اور ہوائی قوت کی طرف ۱۹۳۵ء تک توجہ نہیں کی گئی۔ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے مفاد اور خطرات قریب قریب یکساں ہیں ۱۹۳۶ء کے بعد حکومت نیوزی لینڈ نے اپنی مدافعت کو مستحکم کرنے میں آسٹریلیا کی طرح بڑی رقوم خرچ کی ہیں۔

بحرالکاہل میں مفاد کی حفاظت آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ بڑی حد تک کر سکتے ہیں۔ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ بل کر نہ صرف ایک دوسرے کی مدد کر سکتے ہیں بلکہ بحرالکاہل میں دور افتادہ برطانوی مقبوضات کی حفاظت بھی کر سکتے ہیں۔ ان دونوں کی مجموعی طاقت کسی ایک دشمن کے مقابلہ میں کافی ہے، بالخصوص اس لئے کہ برطانیہ کینڈا اور دوسرے برطانوی مقبوضات سے بھی امداد ملتی رہے گی۔ اس خیال کے ماتحت اپریل ۱۹۳۹ء میں ولنگٹن پر بحرالکاہل کے متعلق کانفرنس (Pacific Conference) ہوئی جس میں آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور برطانیہ کے نمائندے شریک تھے اس

کانفرنس کی کارروائی کو صیغۂ راز میں رکھا گیا ہے لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ مندرجۂ ذیل مسائل پر خصوصیت سے بحث کی گئی ہے۔

(۱) ایک کونسل کا قیام (Pacific Defence Conference) جس کے نو اراکین ہوں گے تین برطانوی نمائندے، تین آسٹریلیا اور تین نیوزی لینڈ کے اراکین۔ ان کے علاوہ بحری، بری اور ہوائی افواج کے نمائندے تینوں ممالک سے مدعو کئے جائیں گے۔ اس کونسل کے قیام کا مقصد یہ ہے کہ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں اشتراک عمل کی تجاویز پر غور کیا جائے تاکہ کم سے کم دقت اور خرچ میں زیادہ سے زیادہ حفاظتی تدابیر پر عمل کیا جا سکے اور اس طرح ان دونوں ملکوں کی فوج میں اتحاد عمل پیدا کر کے بحر الکاہل میں برطانوی مفاد کی پوری طرح حفاظت کی جائے۔

(۲) بحر الکاہل میں امن کی خاطر بوقت ضرورت کینیڈا اور ریاستہائے متحدہ سے اتحاد عمل کیا جائے۔

یہ امر نہایت قابل توجہ ہے کہ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ نہ صرف اپنی مدافعت کی تیاری میں ہیں بلکہ بحر الکاہل میں برطانیہ کے اُن تمام مقبوضات کی حفاظت کے لئے کوشاں ہیں جو سنگاپور اور فی جی کے درمیان واقع ہیں برطانیہ کے لیے بحر اوقیانوس اور بحیرہ روم کے اطراف برطانوی مفاد کے تحفظ کا مسئلہ بہت اہم ہوتا جا رہا ہے اور یہ مشکل معلوم ہوتا ہے کہ بغیر آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے اشتراک عمل کے برطانیہ کا بحری بیڑہ بہ یک وقت بحر الکاہل میں بھی دشمن کا مقابلہ کر سکے اور بحیرہ اوقیانوس و بحیرہ روم میں بھی۔ سامنے برطانیہ کی پالیسی میں یہ تبدیلی بہت اہم ہے برطانیہ صرف اسی طرح اپنی توجہ دے کر مشرق ذیبی مسائل پوری طرح قائم رکھ سکتا ہے۔

(۵) ریاستہائے متحدہ (امریکہ) اور بحرالکاہل

محل وقوع کے لحاظ سے امریکہ کے لئے بحرالکاہل اسی قدر اہم ہے جتنا کہ بحراوقیانوس۔ ریاستہائے متحدہ نے اس اہمیت کو سنہ ۱۸۴۰ء کے بعد سے محسوس کرنا شروع کیا۔ انیسویں صدی کے آغاز سے ریاستہائے متحدہ میں صنعت وحرفت اور تجارت میں ترقی ہوئی۔ لیکن سنہ ۱۸۴۰ء کے بعد بیرونی تجارت کے اعداد وشمار میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ ریاستہائے متحدہ کو اپنے مال کی کھپت کے لئے نئی منڈیوں کی تلاش ہوئی اس وقت یوروپین ممالک میں ریاستہائے متحدہ کی مصنوعات کی گنجائش نہیں تھی کیونکہ یورپ کے ممالک نے اس سے قبل صنعت وحرفت اور تجارت میں فروغ حاصل کر لیا تھا۔ اس عہد میں یورپ کے اکثر ممالک ایشیا میں تجارتی حقوق حاصل کرنے کی کشمکش میں تھے اور تجارت کے ساتھ نوآبادیات اور مقبوضات حاصل کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ برطانیہ کی ہندوستان میں غیر معمولی کامیابی اور وسیع حکومت کے قیام سے تمام دنیا متاثر ہو چکی تھی۔ اسی کے ساتھ برطانیہ کی تجارت چین اور مشرق بعید میں بھی ترقی کر گئی اور برطانیہ نے تجارت کے تحفظ کے لئے حکومت چین سے معاہدے کئے۔ ان حالات میں کہ بحراوقیانوس کی دوسری طرف یورپ میں تجارت کو فروغ دینے کی گنجائش نہیں تھی اور بحرالکاہل کے پار مشرق بعید میں مصنوعات کے لئے منڈیاں تھیں، ریاستہائے متحدہ نے ایشیا کا رُخ کیا۔ ریاستہائے متحدہ پوری طرح واقف تھا کہ ایشیا میں مغرب کی اقوام

کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ سب سے پہلے ریاستہائے متحدہ کے تاجر جاپان پہنچے اور اس کے بعد انھوں نے چین کی غیر محدود سرزمین پر قدم رکھا۔ برطانیہ کی طرح ریاستہائے متحدہ نے بھی اپنی تجارت کے استحکام کے لئے حکومت چین سے معاہدے کئے اور مراعات حاصل کیں۔ رفتہ رفتہ ریاستہائے متحدہ نے چین میں تجارت کے لئے وہ تمام آسانیاں حاصل کرلیں جو یورپ کی دول کو حاصل تھیں لیکن اُس نے چین میں یا چین کے کسی علاقہ میں حکومت کرنے کی کوشش نہیں کی۔

سیاسی کشمکش سے علیحدہ رہنے کے باوجود ریاستہائے متحدہ نے ہمیشہ کوشش کی کہ اس کی چین سے تجارت برقرار رہے اور تجارت کے جائز فروغ میں کوئی بیرونی رکاوٹ نہ آئے۔ یورپ کی دول کے ملکی اور سیاسی حقوق اور جاپان کے رسوخ سے اس بات کا ہمیشہ اندیشہ رہا کہ ریاستہائے متحدہ کے تجارتی مفاد کو نقصان پہنچے گا لیکن ریاستہائے متحدہ کی حکومت نے اپنے اقتصادی مفاد کی سلامتی کے لئے پوری کوشش کی اس نے کبھی گوارا نہیں کیا کہ کوئی حکومت ا س کے تجارتی حقوق پر دست درازی کرے اور حکومت چین کو بھی مجبور کیا کہ ریاستہائے متحدہ کو تجارت میں وہی آسانیاں بہم پہنچائی جائیں جو اور دول کو حاصل ہیں جس طرح ویبسٹر (Webster) نے ۱۸۴۴ء میں مشرق بعید کی تجارت میں مساوی حقوق کے دعوی کو پیش کیا تھا، اسی طرح ہے (Hay) نے ۱۸۹۹ء میں، سٹمسن (Stimson) نے ۱۹۳۲ء میں اور ہل (Hull) نے ۱۹۳۸ء میں ریاستہائے متحدہ کے اس حق کی تجدید کی کہ چین کی تجارت میں تمام اقوام عالم کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔

۱۸۵۰ء سے لے کر موجودہ دور تک چین متعدد سیاسی مرحلوں سے گذرا چین کی حکومت میں غیر معمولی تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ چین کے سیاسی نشیب و فراز کا ذکر باب "چین اور دور حاضرہ" کے ماتحت کیا گیا ہے۔ اس بات کا ہمیشہ احتمال رہا کہ چینی حکومت کی مشکلات ریاستہائے متحدہ کی تجارت کے لئے نقصان دہ ثابت ہونگی۔ لیکن ریاستہائے متحدہ نے چین کے سیاسی کاروبار سے علیحدہ رہ کر اپنے حقوق اور اقتصادی مفاد کو برقرار رکھنے کی کامیابی کے ساتھ پوری کوشش کی ریاستہائے متحدہ اور چین کی تجارت کے فروغ کے ساتھ ساتھ بحرالکاہل کے تجارتی راستوں کی اہمیت اور حفاظت کا سوال بڑھتا گیا۔ ریاستہائے متحدہ نے جزائر ہوائی پر قبضہ کر لیا تاکہ آمد و رفت میں ان جزیروں کے محل وقوع سے فائدہ اٹھا سکے۔ ریاستہائے متحدہ کے لئے ان جزیروں کی اہمیت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ فرانس نے ہانولولو (Honolulu) پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ریاستہائے متحدہ نے فرانس کی سختی سے مخالفت کی اور فرانس پر واضح کیا کہ ان جزیروں کی اہمیت مشرق بعید کی تجارت سے وابستہ ہے اس لئے ریاستہائے متحدہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ کوئی اور حکومت اِن پر قبضہ کرے۔ بحری آمد و رفت اور حربی نقطۂ نگاہ سے جزائر ہوائی کو وہی اہمیت حاصل ہے جو بحر اوقیانوس اور بحیرۂ روم کے درمیان جبرالٹر کو دی جاتی ہے؛ چنانچہ فن حرب کے ماہرین بندرگاہ ہانولولو کو بحرالکاہل کا جبرالٹر کہتے ہیں۔ پچھلے صفحات پر "جزائر ہوائی" کا ذکر کرتے ہوئے ہم نے کہا ہے کہ ریاستہائے متحدہ نے کس طرح اِن جزیروں پر قبضہ حاصل کیا۔ ریاستہائے متحدہ اور مشرق بعید کی تجارت کے اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ ۱۸۶۰ء؁

۱۸۹۰ء کے درمیان اس تجارت میں کمی واقع ہوئی۔ اس کی وجہ یہ نہیں
تھی کہ ریاستہائے متحدہ کے تاجر مشرق بعید کی منڈیوں سے مایوس ہوچکے تھے
یا مشرق بعید سے علیحدہ ہونا چاہتے تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۸۶۰ء اور سنہ ۱۸۹۰ء
کے درمیان ریاستہائے متحدہ اندرونی تعمیری پروگرام میں مصروف تھا مثلاً ریلوں
اور سڑکوں کی تعمیر، اور صنعت وحرفت کی تنظیم میں ریاستہائے متحدہ کی توجہ مبذول
رہی سنہ ۱۸۹۰ء کے بعد دوبارہ ریاستہائے متحدہ مشرق بعید کی تجارت میں پوری
طرح سے مصروف ہوا۔ بحرالکاہل میں حربی استحکام اور مشرق بعید میں تجارتی
تحفظ کے لئے ریاستہائے متحدہ نے جزائر فلپائن حاصل کئے۔ یہ تاریخ کا ایک عجیب
واقعہ ہے کہ ریاستہائے متحدہ اور ہسپانوی امریکہ کے درمیان بحیرہ کیریبین
(Caribbean Sea) میں جنگ ہوئی جس میں ریاستہائے متحدہ
کو کامیابی ہوئی اور صلح کے بعد ریاستہائے متحدہ نے جزائر فلپائن حاصل کئے
بحیرہ کیریبین شمالی اور جنوبی امریکہ کے درمیان مشرق کی طرف بحر اوقیانوس
کی جانب واقع ہے۔ بظاہر یہ بات تعجب خیز معلوم ہوتی ہے کہ بحیرہ کیریبین میں جنگ
کے بعد مشرق بعید میں چند جزیرے حاصل کئے جائیں لیکن اس کی تہ میں زبردست
حربی اور تجارتی مقاصد پنہاں ہیں۔ ریاستہائے متحدہ کو جزائر ہوائی یا جزائر
فلپائن میں زراعت، صنعت وحرفت، تجارت یا نوآبادیات کو فروغ دینے
کے لئے خاص میدان نہیں ہے لیکن ان جزیروں پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد ریاستہائے
متحدہ کی مشرق بعید میں بڑھتی ہوئی تجارت کو استحکام حاصل ہوا۔
ریاستہائے متحدہ کی بحرالکاہل اور مشرق بعید میں سیاسی پالیسی کا مطالعہ

شروع کرنے کے ساتھ چند سوالات ہمارے سامنے آتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ چین اور مشرق بعید میں ریاستہائے متحدہ کے سیاسی اور تجارتی مفاد کیا ہیں۔ اُن مفاد کو جاپان کی موجودہ پالیسی اور چین پر پوری طرح حاوی ہو جانے کی کوشش سے کیا اندیشہ ہے۔ کیا ریاستہائے متحدہ امریکہ کی مشرق بعید میں موجودہ تجارت اور اس تجارت کا بقاء و عروج خطرہ میں ہے؟۔ ان سیاسی اور اقتصادی مفاد کی ریاستہائے متحدہ کے لئے کیا اہمیت ہے؟ ریاستہائے متحدہ کی حکومت اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے کیا اقدام کر رہی ہے اور آئندہ کیا راہ عمل اختیار کرے گی۔ ان سوالات کا غائر مطالعہ کرنے سے ہم ریاستہائے متحدہ کی خارجی پالیسی کو پوری طرح سمجھ سکتے ہیں۔

کتاب کے آخر میں نقشہ جات ۴، ۵ اور ۶ ملاحظہ فرمائیے۔ نقشہ نمبر ۴ سے پتہ چلتا ہے کہ ریاستہائے متحدہ کی ممالک بحرالکاہل سے تجارت (جس میں مشرق بعید کے ممالک کی تجارت کا بہت بڑا حصہ شامل ہے) برطانیہ کے علاوہ دنیا کے تمام ممالک سے زیادہ ہے۔ اسی طرح ریاستہائے متحدہ کا خانگی سرمایہ جو بحرالکاہل کے ممالک میں لگا ہوا ہے اس کے تمام بیرونی سرمایہ کا ۶ ۳ ر ۲۴ فیصدی ہے اس کے خلاف بحرالکاہل کے ممالک میں برطانیہ کا خانگی سرمایہ اس کے تمام بیرونی سرمایہ کا ۱ ر ۲۴ فیصدی ہے، موجودہ دور میں تجارت کے اعداد و شمار میں کچھ فرق پڑ گیا ہے لیکن مندرجہ بالا تناسب سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اقتصادی نقطہ نگاہ سے ریاستہائے متحدہ کا مفاد برطانیہ کے مفاد سے کم ہے۔

بظاہر مشرق بعید میں امریکہ کے سامنے صرف دو راستے ہیں۔ ایک یہ کہ جاپان کے بڑھتے ہوئے اقتدار اور رسوخ اور امریکہ کے موجودہ اور آئندہ تجارتی مفاد کی پامالی برداشت کرے یا اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے جاپان سے جنگ کے لئے آمادہ ہو جائے۔ جاپان کی ہر اس کوشش کا مقابلہ کرے جو ریاستہائے متحدہ کے حقوق کے لئے مضر ہو۔ جنگ کے علاوہ ریاستہائے متحدہ اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے جاپان کے سامنے احتجاج کر سکتا ہے اپنے اقتدار اور بین الاقوامی انصاف کے نام پر اور عہدناموں کا واسطہ دے کر جاپان سے اپیل کر سکتا ہے کہ ریاستہائے متحدہ کے اقتصادی مفاد قربان نہ کئے جائیں ایک صورت یہ بھی ہے کہ جنگ سے علیحدہ رہنے کے لئے ریاستہائے متحدہ خود ایشیا سے قطعی علیحدگی اختیار کرے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ریاستہائے متحدہ جاپان کو مرعوب کرنے کے لئے بحرالکاہل میں ہوائی اور بحری قوت کا مظاہرہ کرے۔ اگر یہ تمام طریقے ناکام ثابت ہوئے تو ایک آخری اور موثر حربہ یہ رہ جاتا ہے کہ جاپان کے خلاف اقتصادی جنگ کا آغاز کرے، جاپان کی تجارت پر قیود عائد کرنے سے ریاستہائے متحدہ کی تجارت پر بھی اثر پڑے گا لیکن ریاستہائے متحدہ سے تجارتی تعلقات منقطع ہو جانے سے جاپان کو شدید اور ناقابل برداشت نقصان پہنچے گا، بالخصوص موجودہ دور میں جب کہ اشیائے خام اور سامان حرب کا مسئلہ جاپان کے لئے چین کے مقابلہ میں فتح و شکست کا مسئلہ ہے۔

حکومت جاپان کے متعدد اعلان اس امر کو واضح کرتے ہیں کہ چین کے تمام بیرونی تعلقات جاپان اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے اس طرح

امریکہ اور چین کے موجودہ تعلقات کے درمیان جاپان حائل ہو جائے گا اور ریاستہائے متحدہ کے مفاد کا وہی حشر ہوگا جو انگلستان کا جاپانی اقتدار کے بعد ہوا۔ دو سال قبل چین میں دس ہزار امریکن باشندے تھے لیکن آج کل یہ تعداد صرف پانچ ہزار ہے۔ اگر جاپان اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو چین میں امریکن باشندوں کو جاپان کے مرتب کئے ہوئے قوانین اور قیود کی پابندی لازمی ہو گی۔ چین اور ریاستہائے متحدہ کے درمیان تجارتی معاہدے ٹوکیو کی حکومت کے اشارہ پر طے ہوں گے اور جاپان کی مصنوعات اور تجارت کو ریاستہائے متحدہ، برطانیہ وغیرہ کی مصنوعات کے مقابلہ میں خاص مراعات دی جائیں گی تاکہ ان ممالک سے درآمد و برآمد مسدود ہو جائے۔ امریکہ نے چین میں عیسائی تبلیغ و اشاعت، مدارس، اور شفاخانوں میں چار کروڑ ڈالر سے زیادہ سرمایہ صرف کیا ہے۔ جاپان کا اقتدار قائم ہونے کے بعد امریکہ کا یہ سرمایہ قریب قریب ضائع ہو جائے گا۔ امریکن مبلغوں کو ریاستہائے متحدہ واپس جانا پڑے گا یا وہ حیثیت قبول کرنی پڑے گی جو کوریا میں انھیں دی گئی ہے۔

چین میں ریاستہائے متحدہ کے تجارتی سرمایہ کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ۱۹۳۰ء کے ایک تخمینہ کے مطابق یہ رقم تیرہ کروڑ دو لاکھ (۱۳۰۲۰۰۰۰۰) ڈالر ہے۔ اس سرمایہ میں حسب ذیل رقوم کا شامل کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے :-

(۱) چین میں امریکن باشندوں کی ذاتی ملکیت　　　　تین کروڑ ڈالر

(۲) حکومت چین پر ریاستہائے متحدہ کا قرض — چار کروڑ ڈالر
(۳) امریکن مبلغ، اسپتال وغیرہ — چار کروڑ ۰

میزان ۱۱ کروڑ ڈالر

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ چین میں امریکہ کا سرمایہ مختلف شکلوں میں تقریباً ۲۴ کروڑ دولاکھ ڈالر ہے۔ یہ بہت بڑی رقم ہے اور جاپانی سیلاب میں اس کو بہا دینا اور آئندہ تجارتی ترقیوں کے امکانات کو منقطع کرنا قریب قریب ناممکن معلوم ہوتا ہے۔

چین اور جاپان کی موجودہ جنگ کے پہلے سال کے دوران میں ریاستہائے متحدہ نے بڑی حد تک غیر جانبداری کو قائم رکھا حالانکہ چین کی مجبوری، جاپان کے مظالم اور خود ریاستہائے متحدہ کے مفاد کی سلامتی کا مقتضا تھا کہ ریاستہائے متحدہ چین کی ہر طرح امداد کرتا۔ ریاستہائے متحدہ کے سامنے صرف یہ بات تھی کہ اس کی تجارت کو جاپان کے اقدام سے کس حد تک نقصان پہنچے گا اور چین کی امداد میں کیا ایثار کرنا پڑے گا۔ ریاستہائے متحدہ کا خیال تھا کہ جاپان اور چین کی جنگ بہت جلد ختم ہو جائے گی اس لئے مداخلت کر کے جاپان کو ناراض کرنا مناسب نہیں معلوم ہوا لیکن جنگ کی رفتار، جاپان کی مسلسل کامیابی اور چین میں بیرونی مفاد کو خطرہ میں دیکھ کر ریاستہائے متحدہ کو یقین ہو گیا کہ جاپان اپنے مقاصد کو پورا کرنے کا تہیہ کر چکا ہے۔ چین کی تباہی کے ساتھ بیرونی ممالک اور ریاستہائے متحدہ کے مفاد کی تباہی ہے۔ جنگ چین و جاپان کے دوسرے سال ریاستہائے متحدہ کے رویہ میں تبدیلی ہوئی اور اس نے چین کی امداد

شروع کی۔ ریاستہائے متحدہ کے موجودہ رویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چین
کی علانیہ طور پر ہر ممکن مدد کرے گا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ چین کو جاپان کی آہنی گرفت
سے بچانے کے لئے ریاستہائے متحدہ خود جنگ میں شریک ہوگا لیکن یہ بات
یقین کے درجہ کو پہنچ چکی ہے کہ جنگ میں شرکت کے علاوہ، ریاستہائے متحدہ
چین کی آزادی قائم رکھنے کے لئے پوری جدوجہد کرے گا۔ مثلاً ریاستہائے متحدہ
جاپان کے ساتھ وہ تجارتی معاہدہ دوبارہ نہ کرے جو حال ہی میں ختم ہوا ہے۔ جاپان
کے خلاف یہ اقتصادی سرگرمی چین کے لئے امداد غیبی سے کم نہیں ہے۔
کیونکہ تجارتی معاہدہ کے ختم ہو جانے کے بعد جاپان اشیائے خام اور
سامان حرب ریاستہائے متحدہ سے نہیں خرید سکے گا۔ ان حالات میں جاپان
کی صنعت وحرفت کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے اور آلات حرب کی
کمی کی وجہ سے چین میں جنگ کو جاری رکھنا دشوار ہوگا۔

بظاہر ریاستہائے متحدہ کی مشرق بعید میں سیاسی پالیسی بہت صاف
معلوم ہوتی ہے لیکن اس کی تہ میں ایسے راز ہیں جن تک عام نگاہیں مشکل
سے پہنچتی ہیں۔ ریاستہائے متحدہ کی سیاسی پالیسی کے واضح ترین اصولوں میں
سے ایک اصول غیر جانبداری (Non Intervention Policy)
ہے۔ اس کی رو سے ریاستہائے متحدہ غیر ممالک کے جھگڑوں میں نہ کوئی حصہ
لے سکتا ہے اور نہ کسی قسم کی مداخلت کر سکتا ہے۔ اور نہ فریقین میں سے
کسی ایک کو بالواسطہ یا بلاواسطہ مدد پہنچا سکتا ہے۔ ابتداً یہ اصول انقلاب
فرانس کی لڑائیوں سے علیحدہ اور غیر جانبدار رہنے کے لئے ۱۷۹۳ء

میں قائم کیا گیا تھا لیکن رفتہ رفتہ اس کا اطلاق تمام بیرونی ممالک پر ہو گیا۔ اصول غیر جانبداری کے سلسلہ میں ہم ریاستہائے متحدہ کے صدر واشنگٹن کے آخری پیغام کا مندرجہ ذیل حصہ نقل کرتے ہیں:-

"ریاستہائے متحدہ کی بیرونی پالیسی کو اس طرح مرتب کرنا چاہیئے کہ ممالک غیر سے تجارتی تعلقات وسیع کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے لیکن ان سے سیاسی رشتے قائم نہ کئے جائیں۔ دول یورپ کے کئی بنیادی مفاد ہیں جن کی اہمیت ہمارے لئے بہت کم ہے یورپ کے ممالک اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے اکثر برسرپیکار رہتے ہیں لیکن ہمیں ان جھگڑوں سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیئے۔ ہمارے لئے یہ بڑی ناعاقبت اندیشی ہوگی اگر ہم یورپ کے جھگڑوں میں الجھ جائیں۔"

اصول غیر جانبداری کی وجہ سے ریاستہائے متحدہ ممالک غیر سے جنگی معاہدے نہیں کر سکتا اور خود کسی بیرونی جنگ میں شریک نہیں ہو سکتا جس طرح دول یورپ کے "بنیادی مفاد" سے ریاستہائے متحدہ کو کوئی دلچسپی نہیں ہے اور وہ ان کے جھگڑوں سے علیحدہ رہنا چاہتا ہے، اسی طرح ایشیا کے ممالک کے بنیادی مفاد بھی ریاستہائے متحدہ کے لئے قطعی "بیرونی" ہیں اور سیاسی نقطۂ نگاہ سے ریاستہائے متحدہ کو ان میں کوئی دلچسپی نہیں ہے ریاستہائے متحدہ کے ارباب حل وعقد نے واشنگٹن کے مندرجہ بالا پیغام اور اصول غیر جانبداری پر ہمیشہ سختی سے عمل کیا ہے۔ رفتہ رفتہ

اصول غیر جانبداری کا اطلاق اور زیادہ وسیع کیا گیا۔ ریاستہائے متحدہ کسی ملک کی خانہ جنگی یا دو ممالک کی "بے قاعدہ" (unformalised) جنگ میں بھی اسی طرح علیحدگی رکھتا ہے جیسے باقاعدہ اور علانیہ جنگوں میں غیر جانبدار رہتا ہے۔ اصول غیر جانبداری کو قانون کی صورت میں مرتب کر لیا گیا ہے اور اس قانون میں موشگافی کسی قدر مشکل ہے۔ چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ موجودہ جنگ یورپ کے سلسلہ میں قانون غیر جانبداری میں ترمیم کرنے کے لئے صدر روزولٹ کو زبردست مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اس ترمیم کے بعد دونوں فریق ریاستہائے متحدہ سے آلات حرب خرید سکتے ہیں لیکن امریکہ سے یورپ لے جانے کا ذمہ ریاستہائے متحدہ نہیں لیتا۔ اس ترمیم کو پیش کرتے ہوئے روزولٹ (صدر ریاستہائے متحدہ) نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ "لوہا اور اشیائے خام بھیجی جا سکتی ہیں اور قانون غیر جانبداری کے مطابق صرف آلات حرب کی تجارت کی ممانعت کی گئی ہے۔ یورپ کے ممالک اشیائے خام خرید کر آلات حرب تیار کریں گے، اس لئے اشیائے خام کی بجائے آلات حرب فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ اس طرح ریاستہائے متحدہ کی صنعت حرفت بڑھے گی اور ہزارہا بیکاروں کو کام مل جائے گا۔" اس تقریر سے اگر ایک طرف یہ واضح ہوتا ہے کہ ریاستہائے متحدہ کو یورپ کی جنگ سے پوری دلچسپی نہیں تو دوسری طرف اس کا بھی گمان کیا جا سکتا ہے کہ مستقبل قریب میں رائے عامہ برطانیہ کی امداد کی پوری طرح حامی ہو جائے گی۔

چند سال سے "اصول غیر جانبداری" کے سلسلہ میں ریاستہائے

متحدہ تین اور طریقے استعمال کر سکتا ہے جن سے غیر جانبداری قائم رہتی ہے اور اقتصادی مفاد کا تحفظ بھی ہوتا ہے۔ ان میں سے صرف پہلے طریقہ کو قانون کی شکل دی گئی ہے۔

(۱) تجارتی تعلقات کا انقطاع۔ ایسے فریق سے جو اپنے ذاتی اقتصادی مفاد کے لئے لڑ رہا ہو اور دوسرے فریق کے معاشی نظام کو برباد کرنا چاہتا ہو۔ ریاستہائے متحدہ تجارتی تعلقات منقطع کر سکتا ہے کیونکہ اگر ایک فریق کو شکست فاش ہو جائے تو دوسرا فریق اس کی تمام بیرونی اور اندرونی تجارت اور صنعت و حرفت کا مالک بن جائے گا اور ممالک غیر (جن میں ریاستہائے متحدہ شامل ہے) کے اقتصادی مفاد کو شدید نقصان پہنچنے کا ڈر ہے۔ (غالباً جاپان سے تجارتی تعلقات اس دفعہ کی ماتحت ختم کئے گئے ہیں)

(ii) فریقین کے ساتھ یکساں برتاؤ۔ مثلاً ریاستہائے متحدہ میں چین اور جاپان دونوں اقوام کو آلات حرب فروخت کر سکتا ہے۔

(iii) جنگ کے علاقہ سے امریکن باشندوں اور فوجی دستوں کی علیحدگی (مثلاً چین اور جاپان کے درمیان جنگ شروع ہونے کے بعد ریاستہائے متحدہ نے اپنے باشندوں کو ہدایت کی وہ جنگ کے علاقہ سے علیحدہ ہو جائیں)

اصول غیر جانبداری کی تمام روایات اور" قانون غیر جانبداری کے باوجود ریاستہائے متحدہ جنگ کے لئے تیار رہتا ہے کیونکہ ایسے موقع

پیش آسکتے ہیں جن میں ریاستہائے متحدہ کے بنیادی مفاد آزادی، عظمت اور
تحفظ پر ضرب پڑنے کا اندیشہ ہو۔ ایسی صورت میں ریاستہائے متحدہ جنگ میں
شریک ہوکر اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے ہر ممکن کوشش کرے گا۔ وہ اصول جس
کے ماتحت ریاستہائے متحدہ اپنے تحفظ کی خاطر جنگ میں شرکت کرسکتا ہے
"نظریہ منرو" (Monroe Doctine) کہلاتا ہے

"نظریہ منرو" کوئی بین الاقوامی قانون نہیں ہے۔ ریاستہائے متحدہ کی
کانگریس نے اسے قانون کی شکل میں پیش نہیں کیا ہے۔ اصول غیر جانبداری
کو قانون کی شکل دی جا چکی ہے۔ لیکن "نظریہ منرو" کی اہمیت صرف روایات
کی بنا پر ہے۔ "نظریہ منرو" دراصل ریاستہائے متحدہ کے باشندوں اور حکومت
کے طرزِ عمل کا مظہر ہے کہ وہ کسی بیرونی حکومت کے معاملات میں دخل نہیں دیں
گے لیکن شمالی اور جنوبی امریکہ کی کسی حکومت میں کسی غیر امریکن خارجی حکومت کی
مداخلت کو برداشت نہیں کرسکتے کیونکہ اس طرح ریاستہائے متحدہ کے مفاد
کو خطرہ پیدا ہوگا۔ جنگ عظیم کی تباہ کاریوں اور ریاستہائے متحدہ کی جنگ
عظیم میں شرکت کے باوجود "نظریہ منرو" کی اہمیت قائم ہے۔ "نظریہ منرو" کو
ریاستہائے متحدہ کے پانچویں صدر جیمس منرو (James Monroe)
نے دسمبر ۱۸۲۳ء میں اپنے صدارتی پیغام کی صورت میں پیش کیا تھا
اس نظریہ کو پیش کئے ہوئے ایک سو سال سے زیادہ گذر چکے ہیں لیکن آج
کل بھی ریاستہائے متحدہ کی سیاسی پالیسی نظریہ منرو سے متاثر ہوتی ہے۔
البتہ نظریہ منرو کو روزولٹ کی تازہ ترین تشریح نے زیادہ لچک دار بنا دیا

ہے۔ انھوں نے امریکن مفاد کے زیر تحت شمالی و جنوبی امریکہ کے علاوہ بحر اوقیانوس
اور بحرالکاہل کو بھی شامل کر لیا ہے ایسی حالت میں کہ ان دونوں سمندروں
میں امن نہ رہے اور امریکہ کی تجارت اور اقتصادیات پر اثر پڑے بغیر
نظریہ منرو کو توڑے ریاستہائے متحدہ لڑائی میں شریک ہو سکتا ہے۔ یہ تشریح
امریکن مفاد کے لئے بہت زیادہ جامع ہو گئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اصول غیر جانبداری اور "نظریہ منرو" کا امتزاج ریاستہائے
متحدہ کے سیاسی کاروبار میں ہمیشہ نمایاں نظر آتا ہے۔ ایک طرف وہ امریکہ
یورپ اور ایشیا کے ممالک کی لڑائیوں اور رقابتوں جنگیوں سے علیحدہ رہنا
چاہتا ہے۔ دوسری جانب براعظم امریکہ میں کسی غیر امریکن حکومت کی
مداخلت کو اپنے مفاد کے منافی سمجھتا ہے۔ اسی بنا پر اصول منرو کی بنا پر کینیڈا
کی مدافعت کا مسئلہ برطانیہ کے لئے پریشان کن نہیں ہے۔ جاپان یا کوئی اور
حکومت کینیڈا پر حملہ کرنے کی مشکل سے جرأت کرے گی کیونکہ اصول منرو کے
مطابق ریاستہائے متحدہ کینیڈا کی مدافعت میں مدد کرے گا۔ ہم نے جاپان کے
سلسلہ میں ذکر کیا ہے کہ ایشیا سے متعلق جاپان بھی ایک طرح کا "نظریہ منرو"
پیش کر رہا ہے کہ ایشیا کے ممالک میں غیر ایشیائی دول دخل نہیں دے
سکتے۔ کیونکہ یہ دخل اندازی جاپان کے بنیادی مفاد کے لئے مضرت رساں
ثابت ہو رہی ہے۔

جاپان اور چین کی موجودہ جنگ میں ۱۹۳۷ء کے بعد ریاستہائے
متحدہ نے چین کی سرکاری اور غیر سرکاری طور سے بہت مدد کی ہے۔ مثلاً

حکومت ریاستہائے متحدہ کی جانب سے ایسے احکام نافذ کئے گئے جن سے اصول غیر جانبداری کے باوجود چین کو مدد دینے میں آسانیاں بہم پہنچائی جا رہی ہیں۔
جاپان براعظم ایشیا میں مانچوکو، چین اور جاپان کا ایک اتحاد قائم کر کے اپنے زیر اثر رکھنا چاہتا ہے تاکہ جاپان کی تجارت اور صنعت و حرفت کو ترقی کرنے کا پورا موقع ملے۔ ریاستہائے متحدہ جاپان کے اس حق کو کسی طرح تسلیم نہیں کر سکتا؛ کیونکہ مانچوکو میں جاپانی اقتدار کے بعد وہ اپنے اور برطانیہ کے اقتصادی مفاد کی پامالی دیکھ چکا ہے۔ ریاستہائے متحدہ نے چین کو موجودہ جنگ میں دو کروڑ پچاس لاکھ ڈالر قرض دیئے ہیں اس کے علاوہ ریاستہائے متحدہ میں چین کے "محفوظ ذخیرہ طلائی" (Gold Reserve) کی ساکھ کو زیادہ بڑھایا گیا ہے تاکہ چین اس محدود ذخیرہ طلائی پر زیادہ مال خرید سکے۔ اس کے علاوہ ریاستہائے متحدہ نے بحرالکاہل میں جزیرہ گوام کی کی بحری قوت اور قلعہ کو بہت مستحکم کر لیا ہے۔ ریاستہائے متحدہ کی رائے عامہ جاپان کے خلاف ہو چکی ہے ممکن ہے مستقبل قریب میں جاپان کو اسلحات جنگ فروخت نہ کئے جائیں۔ یہ دراصل غیر سرکاری کارروائی اور ممانعت ہے کہ جاپان کو اسلحات فروخت کر کے چین کے خلاف امداد نہ کی جائے جنوری سنہ ۱۹۴۰ء میں ریاستہائے متحدہ اور جاپان کا تجارتی معاہدہ ختم ہو چکا ہے۔ ان سرگرمیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاستہائے متحدہ جاپان کی فتوحات کو زیادہ عرصہ تک خاموشی سے نہیں دیکھ سکتا۔ جاپان کے چین پر حاوی ہو جانے کے بعد ریاستہائے متحدہ کا اقتصادی مفاد

خطرہ میں پڑ جائے گا۔ اس کے علاوہ ریاستہائے متحدہ کے مقبوضات بھی محفوظ نہیں رہیں گے اور بحرالکاہل میں ریاستہائے متحدہ کی عظمت قائم نہیں رہے گی۔ ریاستہائے متحدہ کبھی برداشت نہیں کرسکتا کہ اس کی بیرونی تجارت، سیاسی حقوق، مقبوضات اور عظمت کسی ایک قوت کے بڑھ جانے سے خطرہ میں پڑ جائیں۔ یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جاپان یا کوئی اور حکومت چین کی آزادی غصب کرنے کی کوشش کرے تو ریاستہائے متحدہ ایسی تدابیر اختیار کرے گا جن سے چین کی آزادی قائم رکھنے میں مدد ملے۔ موجودہ واقعات کی رفتار سے معلوم ہوتا ہے کہ جاپان کو بڑی حد تک کامیابی ہو رہی ہے اور وہ چین کے شمالی حصہ پر پوری طرح قبضہ جمانا چاہتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ جاپان اس وقت خاموش ہو جائے لیکن چند سال بعد جنگ کو دوبارہ شروع کر کے چین کے بقیہ حصہ پر بھی حاوی ہونے کی کوشش کرے، اس طرح جاپان چین کے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کرے گا اور کامل فتح کے بعد ایسا طرز عمل اختیار کرے گا جس سے ریاستہائے متحدہ اور دوسرے ممالک کے مفاد اور اثرات چین میں بالکل محدود ہو جائیں گے۔ اس انجام سے بچنے کے لئے ریاستہائے متحدہ ہر ممکن کوشش کرے گا۔ بعض سیاستدانوں کا خیال ہے کہ ریاستہائے متحدہ جاپان کے خلاف اعلان جنگ نہ کرے گا البتہ جنگ کے علاوہ باقی تمام تدابیر آہستہ آہستہ اختیار کرے گا۔ ایک دوسرا خیال جو شاید زیادہ صحیح ہو یہ بھی پیش کیا جاتا ہے کہ بڑھتے ہوئے جاپانی سیلاب کو روکنے کے لئے امریکہ کو لڑائی میں شریک ہو جانا چاہیئے

ورنہ ممکن ہے کہ یہ مسئلہ بھی کل امریکہ کے لئے اسی قدر دشوار ہو جائے جس قدر آج برطانیہ کے لئے جرمنی کا مسئلہ ہے۔

ریاستہائے متحدہ میں سیاست دانوں کی ایک مختصر سی جماعت ایسی بھی ہے جو "اصول غیر جانبداری" کی سختی سے پابند ہے اور ہمیشہ رہنا چاہتی ہے۔ یہ جماعت "نظریہ منرو" کی بھی سختی سے پابندی کرنا چاہتی ہے۔ ریاستہائے متحدہ کی بحر الکاہل میں موجودہ خارجی پالیسی کی وہ مخالفت کرتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ ریاستہائے متحدہ کا مشرق بعید اور چین میں اتنا مفاد نہیں ہے کہ وہ اس کے تحفظ کے لئے جاپان سے جنگ کرے۔ اس نظریہ کے جواز میں یہ گروہ ریاستہائے متحدہ کی حکومت کی تاریخی دستاویزیں اور بیرونی پالیسی کی رفتار ترقی کو پیش کرتا ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ موجودہ حکومت کو ریاستہائے متحدہ کی قدیم پالیسی سے تجاوز نہیں کرنا چاہئیے۔ وہ یہ بھی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ تاریخی دستاویزات سے ظاہر ہوتا ہے کہ چین اور مشرق بعید میں ریاستہائے متحدہ کے مفاد کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہے جو آجکل دی جا رہی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ گذشتہ روایات کو قائم رکھتے ہوئے موجودہ حکومت کو بھی اس بات کی کوشش کرنی چاہئیے کہ بحر الکاہل سے علیحدگی قائم رہے کیونکہ بحر الکاہل کے کاروبار میں الجھنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آئندہ جنگ کی نوبت آئے گی۔ اس سلسلے میں ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ایک ایسے زبردست مسئلہ کے ثبوت میں حکومت کی سرکاری دستاویزوں کو پیش کرنا اصولی غلطی ہے۔ سرکاری خط و کتابت اور دستاویزوں میں جو زبان استعمال

کی جاتی ہے وہ اس قدر مبہم ہوتی ہے کہ اس سے کوئی نتیجہ صحیح نہیں نکالا جا سکتا
ایسے کاغذات ایک مورخ کے لئے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے کیونکہ ان
سے قومی رویہ اور رائے عامہ کا صحیح پتہ چلانا مشکل ہے۔ اس کے علاوہ
ریاستہائے متحدہ کی بڑھتی ہوئی صنعت وحرفت اور تجارت کو نظر انداز
نہیں کیا جا سکتا اور موجودہ حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ بنیادی اصولوں کو
برقرار رکھتے ہوئے طرز عمل میں ایسی تبدیلیاں کی جائیں جو حالات حاضرہ
میں نہایت ضروری ہیں، یہ ہو سکتا ہے کہ مختلف حالات کی وجہ سے موجودہ
حکومت کا طرز عمل فروعات میں گذشتہ حکومتوں کے طرز عمل سے مختلف ہو۔
اس کے خلاف مدبرین کا ایک ایسا گروہ ہے جو چاہتا ہے کہ مشرق
بعید میں ریاستہائے متحدہ کے سیاسی اور اقتصادی مفاد کی پوری حفاظت
کرنی چاہیئے اور اگر اس کے لیے جنگ کی نوبت آجائے تو جنگ کے لئے
بھی تیار رہنا چاہیئے۔ ان دونوں نقطوں کے منفصل دلائل سے قطع نظر، یہ
امر مسلمہ ہے کہ موجودہ حالات میں ریاستہائے متحدہ اور براعظم امریکہ کا مفاد
بحر الکاہل سے وابستہ ہے۔ امریکہ کا بحر الکاہل سے موجودہ رشتہ، اس کے
محل وقوع اور بین الاقوامی تعلقات کا لازمی نتیجہ ہے۔ ان حالات میں
ریاستہائے متحدہ، بحر الکاہل اور مشرق بعید میں اپنی تمام کارروائیوں میں
حق بجانب ہے اور وہ اپنے آپ کو محض جنگ کے اندیشے سے بحر الکاہل
اور مشرق بعید سے علیحدہ نہیں کر سکتا۔
مشرق بعید میں ریاستہائے متحدہ کے اقتصادی مفاد اور براعظم

مریکہ کے لئے بحرالکاہل کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ریاستہائے متحدہ کا بحرالکاہل اور مشرق بعید سے بنیادی تعلق نہیں ہے یہ بھی کسی طرح درست معلوم نہیں ہوتا کہ ریاستہائے متحدہ آئندہ جنگ کے اندیشہ سے مشرق بعید میں اپنے تمام اقتصادی اور سیاسی تعلقات کو خیرباد کہہ سکتا ہے۔ دراصل ریاستہائے متحدہ اپنی موجودہ تجارت کے علاوہ آئندہ تجارت کے امکانات کو دیکھ رہا ہے اور مشرق بعید میں تجارت کے امکانات اس قدر زیادہ ہیں کہ مشرق بعید سے دست کشی کسی طرح گوارا نہیں جا سکتی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ریاستہائے متحدہ کی بحرالکاہل میں سیاسی پالیسی برطانیہ کے اشاروں پر مرتب ہوتی رہی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ برطانیہ کے سیاسی اور اقتصادی مفاد ایشیا اور بحرالکاہل میں جاپان اور ریاستہائے متحدہ کی بہ نسبت بہت زیادہ ہیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ برطانیہ اپنی خارجی پالیسی میں ہمیشہ "توازن قوت" (Balance of Power) کے اصول پر عمل پیرا رہا ہے۔ ایشیا اور بحرالکاہل میں برطانیہ کا زبردست رقیب جاپان ہے، اس لئے اس خطہ میں توازن قوت قائم کرنے کے لئے برطانیہ نے ریاستہائے متحدہ کو شامل کر لیا تاکہ ایک زبردست قوت جاپان کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جائے اور برطانیہ اپنی توجہ یورپ اور مشرق قریب کی طرف بھی منعطف کر سکے۔ برطانیہ کے نقطہ نگاہ سے یہ طرز عمل بالکل صحیح ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امریکہ نے چین میں مساوی حقوق تجارت کی پالیسی (Open Door Policy) کا جو اعلان ۱۸۹۹ء میں کیا تھا

اس کی ذمہ داری برطانیہ پر ہے۔ اس وقت ریاستہائے متحدہ کا لندن میں
سفیر جان ہے (John Hay) تھا جس نے لارڈ بیرس فورڈ کے
اشارہ پر اپنی حکومت کو ترغیب دی کہ وہ چین کی تجارت کے سلسلہ میں
اس طرزِ عمل کا اعلان کرے۔ اس طرح بغیر کسی ذمہ داری کے برطانوی
سیاست دانوں نے ریاستہائے متحدہ کی حکومت سے تمام دول کے
لئے مساوی حقوق تجارت کا اعلان کرایا۔ اس واقعہ کے باوجود ہم ذکر
کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ریاستہائے متحدہ چین میں مساوی حقوق تجارت
کا دعویٰ مذکورۂ بالا اعلان سے ۵۵ سال قبل ۱۸۴۴ء میں کر چکا تھا۔
اور ۱۸۹۹ء کا اعلان اسی پرانے رویئے کی تکرار تھی۔ یہ بالکل صحیح ہے
کہ ریاستہائے متحدہ کی موجودہ سیاسی پالیسی سے برطانیہ کو فائدہ پہنچ رہا ہے
ممکن ہے یہ بھی درست ہو کہ عموماً ریاستہائے متحدہ کی بحر الکاہل اور مشرق
بعید سے متعلق خارجی پالیسی انگلستان کے اشارہ پر مرتب کی گئی لیکن تجزیہ
کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاستہائے متحدہ نے اپنے مفاد، تعلقات اور
مشکلات کو ہمیشہ سامنے رکھا، اگر برطانیہ کے ایشیا اور بحر الکاہل میں سیاسی
اور تجارتی مفاد نہ ہوتے تب بھی ریاستہائے متحدہ کا طرزِ عمل وہی ہوتا جو
آج کل ہے اسے ہم محض اتفاق کہہ سکتے ہیں اور برطانیہ کی خوش قسمتی کہ جاپان
کے مقابلہ میں مشرق بعید میں توازن قوت قائم رکھنے کے لئے اسی ریاستہائے
متحدہ جیسی حکومت مل گئی

جزائر فلپائن جزائر فلپائن ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مقبوضات
میں سے ہیں ہم دیکھ چکے ہیں کہ۔ یاستہائے متحدہ نے

بیرونی ممالک میں مقبوضات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ
ہے کہ ریاستہائے متحدہ کے پاس اشیائے خام کا ذخیرہ موجود ہے اور اس
کی آبادی کے لئے کافی زمین ہے، ریاستہائے متحدہ کو سب سے زیادہ فکر اس
بات کی لگی رہتی ہے کہ اس کی بیرونی تجارت اور ممالک غیر میں اقتصادی
مفاد خطرہ میں نہ پڑے۔ مشرق بعید میں یورپ کے دول نے سیاسی اور ملکی
حقوق اور اقتدار حاصل کرنا شروع کر دیا تھا جس سے ریاستہائے متحدہ کے
اقتصادی مفاد کو خطرہ پیدا ہوا۔ بحر الکاہل کی وسعت کو دیکھتے ہوئے امید
نہیں کی جا سکتی کہ ریاستہائے متحدہ کسی جنگ میں ہزارہا میل کے فاصلے پر اپنے
مفاد کا تحفظ کر سکے گا۔ اس لئے سب سے پہلے ریاستہائے متحدہ نے جزائر ہوائی
پر قبضہ کیا اور اس کے بعد جزائر فلپائن پر۔ تجارت کے اعداد و شمار واضح کرتے
ہیں کہ جزائر ہوائی اور فلپائن میں ریاستہائے متحدہ کو اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لئے امکانات
بہت کم ہیں۔ ان جزائر پر قبضہ کرنے کی وجوہ یہ ہیں کہ ریاستہائے متحدہ کو بحر الکاہل میں اپنی
بحری قوت کو برقرار رکھنے کے لئے مستقر کی ضرورت تھی اور مشرق بعید میں اقتصادی مفاد
کی سلامتی کے لئے سیاسی اقتدار ضروری تھا۔ جزائر ہوائی اور جزائر فلپائن نے ان ضروریات کو پورا

جزائر فلپائن پر یورپ کی حکومتوں میں سب سے پہلے ہسپانیہ نے قبضہ
کیا۔ اس زمانہ میں فلپائن کی آبادی مختلف نسل کے باشندوں پر مشتمل تھی۔ ساحلی
علاقوں پر زیادہ تر ملایا قوم کے لوگ آباد تھے لیکن اندرونی علاقہ میں حبشی
قسم کے لوگ رہتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے ان لوگوں کا کوئی خاص مذہب نہیں
تھا لیکن عرب تاجروں کے اثر سے آبادی کا ایک بڑا حصہ مذہب اسلام

قبول کرچکا تھا۔ آبادی بہت کم تھی۔ آبادی کا اکثر حصہ نیم وحشی تھا لیکن چند قبیلے مہذب اور متمدن تھے۔ ان جزائر میں کوئی مرکزی حکومت نہیں تھی چند قبیلے اپنے سرداروں کے ماتحت علیحدہ علیحدہ رہتے تھے اور ایک دوسرے سے قریب قریب آزاد تھے۔ ہسپانیہ کو ان جزائر میں کسی بڑی مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑا اور بہت آسانی سے ہسپانیہ کی حکومت ان تمام جزائر پر قائم ہوگئی۔ ہسپانیہ نے بندرگاہ ملایا پر ۱۵۷۱ء میں قبضہ کیا اور اسے فلپائن کا دارالسلطنت بنایا۔ جزائر فلپائن پر ہسپانیہ کی حکومت تین صدیوں تک قائم رہی۔ انیسویں صدی کے اواخر میں یہ جزیرے ریاستہائے متحدہ کے قبضہ میں آئے۔ ہسپانوی حکومت کے اثر سے اکثر باشندوں نے عیسائی مذہب قبول کرلیا۔ یہ جزیرے بہت زرخیز ہیں اس لئے زراعت میں نمایاں ترقی ہوئی۔ بیرونی تجارت میں بھی کافی ترقی ہوئی۔ سولھویں صدی کے معیار کے مطابق ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہسپانیہ کے اثرات سے فلپائن کے باشندے مغربی تہذیب سے مستفیض ہوئے۔ لیکن سیاسی اعتبار سے ہسپانیہ نے فلپائن کے باشندوں کو بہت پیچھے رکھا۔ انھیں موقع نہیں دیا گیا کہ اپنے ملک کی حکومت میں دخل دے سکتے۔ ہسپانوی حکومت کو مذہبی تبلیغ کا جنون تھا اس لئے فلپائن کی بے شمار دولت مذہبی معاملات پر صرف کی گئی لیکن تعلیم اور سماجی اصلاح کے لئے بہت کم خرچ کیا گیا۔ بالآخر فلپائن کے باشندے حکومت کی پالیسی اور مذہبی سختیوں کی وجہ سے تنگ آگئے۔ حکومت نے تشدد سے کام لینا چاہا لیکن اس کا اثر یہ ہوا کہ آزادی

حاصل کرنے کی جدوجہد اور زیادہ سختی سے شروع ہوئی۔ تمام جزیروں میں سول نافرمانی اور بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔

ریاستہائے متحدہ اور ہسپانیہ کی بحیرۂ کیریبین میں جنگ کے بعد یہ جزیرے ریاستہائے متحدہ کو دئے گئے۔ اس جنگ کے دوران میں فلپائن کے حریت پسندوں نے ایک آزاد حکومت قائم کرلی تھی۔ ریاستہائے متحدہ کو قبضہ حاصل کرنے میں مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ فلپائن کے وطن پرستوں کے پاس سامان حرب اور فوج کی کمی تھی اس لئے انھیں شکست ہوئی اور ریاستہائے متحدہ نے اپنی حکومت قائم کردی۔ ریاستہائے متحدہ کو قومی تحریکوں کے فرد کرنے میں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ریاستہائے متحدہ قوم پرستی کے جذبات کو مٹا نہیں سکی۔ کیونکہ قومی سرگرمیاں برابر جاری رہیں اور بالآخر ریاستہائے متحدہ کو فلپائن کو آزادی دینے کا وعدہ کرنا پڑا۔

سن ۱۹۰۱ء کے بعد ریاستہائے متحدہ کے زیر حکومت فلپائن کی تاریخ میں سیاسی، اقتصادی اور تمدنی ترقی کا نیا باب شروع ہوا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دور حکومت سیاسی پالیسی میں ہسپانیہ کے دور حکومت سے بالکل مختلف ہے۔ ریاستہائے متحدہ نے قومی سرگرمیوں کو کچلنے میں تشدد سے کام نہیں لیا اور فلپائن کے باشندوں کو موقع دیا کہ وہ سیاسیات میں حصہ لے سکیں۔ مذہبی معاملات میں ریاستہائے متحدہ نے اس سختی سے کام نہیں لیا جس کے لئے ہسپانوی حکومت بدنام ہو چکی تھی۔ لیکن امریکن عیسائی مبلغ اپنا کام مخصوص

طریقہ سے اس زمانہ میں بھی کر رہے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ریاستہائے متحدہ کی حکومت فلپائن کے جذبات آزادی کی قدر کرنے پر مجبور ہوئی کیونکہ ان جزائر میں ہر طرف سے حریت اور آزادی کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ اس کے علاوہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ ریاستہائے متحدہ کا مقصد اقتصادی مفاد نہیں ہے بلکہ مشرق بعید میں حربی اہمیت کے لحاظ سے فلپائن کو اپنے قبضہ میں رکھنا ہے۔ ان اسباب کی بنا پر اندرونی آزادی عطا کرنے میں ریاستہائے متحدہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ حکومت نے اپنی پالیسی کے اعلان میں واضح کیا کہ جب فلپائن کے باشندے خود حکومت کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ اس وقت ریاستہائے متحدہ حکومت کا تمام کاروبار ان کے سپرد کر دے گا۔ یہ ظاہر کیا گیا کہ ریاستہائے متحدہ فلپائن پر حکومت کرنے کے لئے بے چین نہیں ہے۔ ریاستہائے متحدہ چاہتا ہے کہ اندرونی معاملات میں پوری آزادی دیدے لیکن خارجی پالیسی اس کے ہاتھ میں رہے تاکہ فلپائن کے محل وقوع سے اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے فائدہ اٹھا سکے۔ ریاستہائے متحدہ نے تعلیمی مدارس کھولے اور امریکن اساتذہ کو مقرر کیا اور ایسی تعلیم کی نشر و اشاعت شروع کی جو اس کی سیاسی پالیسی اور مقاصد کے پورا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو۔ فلپائن کے باشندوں کو رفتہ رفتہ حکومت کے کاروبار میں حقوق دیئے گئے۔ ۱۹۳۵ء میں فلپائن کو ایک دستور اساسی کے مطابق آزاد جمہوری حکومت دی گئی اور ریاستہائے متحدہ نے اعلان کیا کہ وہ دس سال میں فلپائن کو پوری آزادی دے دے گا اور یہ کہ ۱۹۳۵ء کا دستور اساسی

محض عارضی ہے۔ ان اصلاحات کے نفاذ کے بعد قوم پرست رہنماؤں میں اطمینان پیدا ہو گیا۔

جمہوریہ فلپائن کے سامنے کئی مسائل ہیں۔ سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ ریاستہائے متحدہ کی علیحدگی کے بعد فلپائن کے لئے مدافعت کا سوال بہت مشکل ہوگا۔ آج کل فلپائن کی تجارت پر ریاستہائے متحدہ میں محصول بہت کم ہے۔ فلپائن کی مکمل آزادی کے بعد ریاستہائے متحدہ محصول بڑھا دے گا اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ فلپائن کی بیرونی تجارت کو نقصان پہنچے گا۔ اس کے علاوہ ایک آزاد حکومت اور فوج برقرار رکھنے کے لئے فلپائن کو نئے ذرائع آمدنی تلاش کرنے پڑیں گے، کیونکہ موجودہ آمدنی ان اخراجات کو پورا نہیں کر سکتی۔

اس سلسلہ میں یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ریاستہائے متحدہ اپنے صریح اعلان کے باوجود خود فلپائن کو آزادی مشکل دے سکے گا گو ریاستہائے متحدہ نے برطانیہ سے آزادی حاصل کرنے میں بڑی قربانیاں کی ہیں اور وہ ایک ملک کے لئے آزادی کی اہمیت سے اچھی طرح واقف ہے لیکن اس کے باوجود جزائر فلپائن کی حربی اہمیت کے مدنظر، وہ فلپائن کی خارجی پالیسی کو ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھنے کی کوشش کرے گا۔ اندرونی معاملات میں فلپائن کو اب بھی بالکل اس طرح قطعی آزادی دی گئی ہے جیسے برطانوی نوآبادیات کینیڈا وغیرہ اندرونی انتظام میں آزاد ہیں۔ ریاستہائے متحدہ نے جاپان اور چین کی جنگ سے فائدہ اٹھا کر فلپائن پر یہ واضح کرنے

کی کوشش کی ہے کہ ریاستہائے متحدہ سے علیحدہ ہونے پر جاپان اس پر فوراً قبضہ کرے گا۔ فلپائن کے قوم پرست رہنما مکمل آزادی حاصل کرنے پر مصر ہیں اور ان کا خیال ہے کہ ۱۹۴۶ء تک وہ تمام مشکلات پر حاوی ہو جائیں گے ممکن ہے بین الاقوامی صورت حال، بالخصوص جاپان کی سرگرمیاں اُن کے مطالبات میں کمی واقع کر دیں اور وہ اندرونی آزادی پر قانع ہو جائیں اگر ایسا ہوا تو ریاستہائے متحدہ کا بحرالکاہل اور مشرق بعید میں سیاسی اور اقتصادی مفاد موجودہ حال پر قائم رہے گا اس کے خلاف اگر ریاستہائے متحدہ کو فلپائن سے بالکل علیحدہ ہونا پڑا تو وہ بحرالکاہل میں اپنی بحری مدافعت کے طریقے کو بدلنے پر مجبور ہو جائے گا لیکن بہر حال ریاستہائے متحدہ کو مشرق میں اپنے اقتصادی مفاد کی سلامتی کے لئے جد و جہد کرنی پڑیگی۔

جزائر ہوائی
بحرالکاہل میں ریاستہائے متحدہ کے اہم ترین مقبوضات میں جزائر ہوائی ہیں ان جزیروں کی اہمیت محل وقوع کی وجہ سے ہے۔ ایشیا اور امریکہ کے درمیان تقریباً وسط میں واقع ہیں اس لئے بحرالکاہل کو عبور کرنے میں جزائر ہوائی پر قیام کرنا نہایت ضروری ہوتا ریاستہائے متحدہ نے ان جزیروں پر بحری اور ہوائی مستقر تعمیر کئے ہیں۔ بحرالکاہل کے نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چین، جاپان اور ایشیا کے مشرقی ساحل اور شمالی امریکہ کے درمیان تمام بحری تجارتی راستے جزائر ہوائی سے گذرتے ہیں سوائے ان راستوں کے جو شمالی بحرالکاہل سے (وکٹوریہ سے یوکوہاما اور سان فرانسسکو سے یوکوہاما) یا جنوبی بحرالکاہل سے گذرتے ہیں۔

خیال کیا جاتا ہے کہ پالی نیشیا قوم کے لوگ (Polynesians)

جزائر ہوائی میں سنہ ۵۰۰ء میں پہنچے۔ اس کے بعد سنہ ۱۱۰۰ء اور سنہ ۱۲۵۰ء
کے درمیان اور باشندے یہاں آکر آباد ہوئے۔ اس وقت تک
بحرالکاہل کی اہمیت کا دنیا کو اندازہ نہیں ہوا تھا؟ اس لئے جزائر ہوائی
کی تاریخ میں کوئی خاص واقعہ نہیں ہوا۔ تقریباً پانچسو سال بعد سنہ ۱۷۷۸ء
میں کیپٹن کک امریکہ کے اطراف ایک نئے شمالی راستے کی تلاش میں
اتفاقاً ان جزیروں پر پہنچ گیا لیکن کیپٹن کک کی اس دریافت کا کوئی خاص
نتیجہ نہیں نکلا اور جزائر ہوائی اپنے حال پر قائم رہے۔ سنہ ۱۷۷۹ء اور سنہ ۱۸۵۰ء
کے درمیان یہاں کوئی قابل ذکر بات نہیں ہوئی۔ یہاں مختلف قبیلوں
کی حکومت اپنے سرداروں کے ماتحت تھی۔ جسے طریقہ جاگیرداری کہا
جا سکتا ہے۔ ان کے ایک سردار کامے ہما (Kamehamha)
نے زیادہ قوت حاصل کرلی اور تمام جزیروں پر اپنی حکومت قائم کی
رفتہ رفتہ چین اور امریکہ کے درمیان تجارت کو فروغ ہونا شروع ہوا
اور بحری راستوں کی وجہ سے جزائر ہوائی کی اہمیت بتدریج بڑھتی گئی
صندل کی لکڑی کی تجارت نے جزائر ہوائی کا بیرونی ممالک سے تجارتی
تعلق قائم کیا۔ اس کے بعد جزائر ہوائی کے قریب وھیل مچھلیاں دریافت
ہوئیں اور ان کے شکار اور تجارت کی وجہ سے بندرگاہ ہانولولو تجارتی
نقطۂ نگاہ سے اہم ہوگیا۔ سنہ ۱۸۴۰ء کے بعد جزائر ہوائی کا طریقہ جاگیرداری
(Feudal System) ختم ہوا اور ایک آئینی حکومت
قائم ہوئی جس کے ماتحت ان جزیروں میں ترقی کے آثار نمایاں ہوئے۔

ریاستہائے متحدہ کی تجارت مشرق سے بڑھتی جارہی تھی اس لئے انہیں جزائر ہوائی کی اہمیت کا پورا اندازہ ہوگیا اور ریاستہائے متحدہ کی حکومت اور باشندوں نے جزائر ہوائی کے معاملات میں دلچسپی لینا شروع کی یہاں کے حکمراں کامے ہما (Kamehamha) کو ریاستہائے متحدہ سے ڈر پیدا ہوا اس لئے سنہ ۱۷۹۴ء میں اس نے جزائر ہوائی کو برطانوی محافظت میں دیدیا۔ اس کے باوجود ریاستہائے متحدہ کی دلچسپی جزائر ہوائی سے کم نہیں ہوئی کیونکہ وہ محسوس کرتے تھے کہ محل وقوع کے اعتبار سے انہیں جزائر ہوائی کے معاملات میں دخل دینے کا برطانیہ سے زیادہ حق ہے۔ وہ برطانیہ یا فرانس کی دخل اندازی کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے، ہوائی حکمرانوں نے تحفظ کے خیال سے سنہ ۱۸۲۴ء میں برطانیہ سے اپنے تعلقات کی تجدید کی سنہ ۱۸۲۰ء اور سنہ ۱۸۳۰ء کے درمیان ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ نے ہانولولو میں اپنے سفیر مقرر کئے۔ فرانس نے بھی چاہا کہ برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ کی طرح جزائر ہوائی میں مراعات حاصل کرے کیونکہ بحرالکاہل میں چند مقبوضات فرانسیسوں کے بھی ہیں۔ متواتر دس سال (سنہ ۱۸۳۰ء۔۱۸۴۰ء) کی کوشش کے باوجود فرانس کو کامیابی نہیں ہوئی۔ بالآخر سنہ ۱۸۴۹ء میں فرانس نے زبردستی حقوق حاصل کئے ریاستہائے متحدہ نہیں چاہتا تھا کہ جزائر پر برطانیہ یا فرانس کا اقتدار زیادہ بڑھ جائے۔ تینوں حکومتیں چاہتی تھیں کہ جزائر ہوائی کی آزادی برقرار رہے اور ان کے مفاد محفوظ رہیں۔ اس سلسلہ میں سنہ ۱۸۴۲ء میں ریاستہائے متحدہ نے جزائر

ہوائی کی مکمل آزادی کو تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد ۱۸۴۳ء میں برطانیہ اور فرانس کو بھی اعلان کرنا پڑا کہ وہ جزائر ہوائی کی مکمل آزادی کو تسلیم کرتے ہیں۔

ہم نے ذکر کیا ہے کہ جزائر ہوائی کی اہمیت اس کی زرعی یا معدنی دولت کے اعتبار سے نہیں ہے۔ ان جزیروں میں شکر، ریشم، کپاس کافی اور چاول کی کاشت کی کوشش کی گئی اور اس میں کامیابی ہوئی۔ جزائر ہوائی میں شکر کی صنعت کو بہت ترقی ہوئی لیکن اس کی کھپت بہت کم تھی۔ ریاستہائے متحدہ نے جزائر ہوائی کی حکومت کو متاثر کرنے کے لئے ایک قدم آگے بڑھایا۔ ۱۸۷۵ء میں اس نے ہوائی کی حکومت سے ایک باہمی سمجھوتہ کیا جس کی رو سے ہوائی کی شکر کی درآمد پر محصول عائد نہیں کیا۔ اس طرح ہوائی کی شکر کے لئے ریاستہائے متحدہ میں بہت بڑی منڈی مل گئی۔ زرعی اور تجارتی ترقی کے ساتھ ساتھ تعلیم بڑھتی گئی اور باشندوں میں بیداری پیدا ہوتی گئی۔ یہاں کی آبادی میں بہت اضافہ ہوا اور مختلف ممالک کے باشندے آکر بسنے شروع ہوئے۔ اس سلسلہ میں نقشہ نمبر ۱۰ اور نمبر ۱۱ ملاحظہ فرمائیے۔

ریاستہائے متحدہ کے تعلقات سے جزائر ہوائی میں سیاسی بیداری پیدا ہوئی۔ لیکن وہاں کے حکمرانوں نے اس بیداری کو پسند نہیں کیا اور ترقی پسندوں سے تشدد آمیز برتاؤ کیا۔ ریاستہائے متحدہ کے باشندوں نے جو ہوائی میں مقیم تھے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور ہوائی کی رعایا کو حکومت کے خلاف ابھارا۔ اس انقلابی تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۹۳ء

میں ہوائی میں ایک پر امن انقلاب ہوا اور بادشاہ معزول کر دیا گیا انقلابیوں نے ایک آزاد حکومت قائم کی اور ریاستہائے متحدہ کی حکومت سے گفت و شنید کی کہ وہ جزائر ہوائی کو اپنی سلطنت میں شامل کرے۔ ریاستہائے متحدہ میں اس کی مخالفت کسی طرح نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ رائے عامہ جزائر ہوائی کی حربی اہمیت سے اچھی طرح واقف تھی۔ اس طرح ہوائی ریاستہائے متحدہ میں شامل کر لیا گیا۔ برطانیہ اور فرانس کے لئے ان جزیروں کی اہمیت اتنی نہیں ہے جتنی ریاستہائے متحدہ کے لئے ہے۔ لہٰذا ان حکومتوں کو بھی جزائر ہوائی کے الحاق کو تسلیم کرنا پڑا۔

نقشہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جزائر ہوائی ۱۵۵ اور ۱۶۰ درجہ طول البلد کے درمیان خط سرطان کے قریب واقع ہیں۔ آب و ہوا کے اعتبار سے ریاستہائے متحدہ کے باشندوں کے لئے یہ جزیرے تفریح گاہ بنے ہوئے ہیں۔ یہاں مادری قوم کے لوگ آباد ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ ریاستہائے متحدہ، جاپان، روس اور چین کے باشندے بھی آباد ہو گئے ہیں۔ حربی اہمیت کے اعتبار سے جزائر ہوائی کو بحرالکاہل کا جبرالٹر کہا جاتا ہے۔ تجارتی جہازوں کے لئے یہ کوئلہ کا سٹیشن ہے۔ اسی طرح ہوائی جہازوں کی آمد و رفت میں پٹرول کے لئے ہانولولو Honolulu پر قیام کرنا پڑتا ہے۔ ہم واقف ہیں کہ جاپان کی سرگرمیوں سے ریاستہائے متحدہ کے مفاد کو مشرق بعید میں خطرہ پیدا ہو رہا ہے۔ ممکن ہے ریاستہائے متحدہ اور جاپان میں جنگ نہ ہو لیکن بہرحال ریاستہائے متحدہ کو ہر طرح

تیار رہنا ضروری ہے۔ ریاستہائے متحدہ نے جزائر ہوائی میں اپنی بحری
اور بری قوت کو بڑھانا شروع کر دیا ہے۔ یہاں زبردست ہوائی اور
بحری مستقر قائم کئے گئے ہیں اس کے علاوہ ان جزیروں کے قریب
ریاستہائے متحدہ اپنے بحری بیڑے اور ہوائی قوت کا مظاہرہ کرتی
ہے جس سے بیرونی اقوام کو ریاستہائے متحدہ کی تیاری کا اندازہ ہوتا
ہے اور ریاستہائے متحدہ کی حکومت کو بھی اپنی قوت اور مرکز وجدابیل
کا پتہ چل جاتا ہے۔

(۶) روس اور بحرالکاہل کی سیاست

روس کو دنیا کی بڑی بحری قوتوں میں شمار نہیں کیا جاتا۔ روس کا قریب قریب تمام ساحل منجمد رہنے کی وجہ سے بیکار ہے اور جو کارآمد حصہ ہے اس میں ابھی بندرگاہیں بہت کم ہیں۔ بحرالکاہل میں ولاڈی و سٹک کی بندرگاہ قابل ذکر ہے۔ دنیا کی زبردست بحری طاقتوں کے مقابلہ میں روس کی بحری قوت بہت کم ہے۔ روس نے کوشش کی کہ اپنی بحری طاقت میں اضافہ کرے لیکن بحرالکاہل میں روس کا جاپان سے تصادم ہوا جس میں روس کو قطعی ناکامی ہوئی اور بحرالکاہل میں رسوخ و اقتدار حاصل کرنے کا خیال ترک کرنا پڑا۔ لیکن حالات ایسے ہیں کہ روس کسی اور رخ بحری طاقت مشکل سے بڑھا سکتا ہے۔ روس کا ہمیشہ سے خیال رہا ہے کہ چین پر اقتدار قائم کرے اور بحرالکاہل میں قوت حاصل کرے۔ ہم دیکھیں گے کہ روس کے ارادے متواتر ناکامیوں کے باوجود باقی ہیں۔ جاپان اس صورت حال سے پوری طرح واقف ہے۔ روس صرف موقع کا منتظر ہے کہ جاپان سے گذشتہ شکستوں کا بدلہ لے اور اپنے نصب العین کو پورا کرے روس سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے علاوہ اشتراکیت کی نشر و اشاعت بھی چاہتا ہے اس طرح جاپان اور روس کے اختلافات بنیادی ہیں اور بظاہر ان میں دوستی اور صلح کی کوئی امید نہیں۔

روس کا یورپ سے مشرق کی طرف میلان سولھویں صدی کے آخر میں شروع ہوا۔ یہ حقیقت دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ یورپ سے آبادی کا سیلاب بحرالکاہل کی طرف بحری اور بری راستوں سے قریب قریب ایک ہی زمانہ میں شروع ہوا۔ بحرالکاہل میں برطانیہ اور دوسری دول یورپ اور ریاستہائے متحدہ کی آمد کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ روس سے جو آبادی بحرالکاہل میں پہنچی اسے سائبیریا کا وسیع خطہ طے کر کے کوہ یورال سے بحرالکاہل پہنچنے میں نصف صدی سے زیادہ عرصہ صرف کرنا پڑا۔ سولھویں صدی کے اواخر میں حکومت روس کے مظالم سے وہاں کی رعایا پریشان ہو چکی تھی اور مصائب سے نجات حاصل کرنے کے لئے اُس نے سائبیریا کا رخ کیا۔ حالانکہ آب وہوا اور پیداوار کے لحاظ سے سائبیریا میں بہت کم آرام کی امید تھی۔ یرمک نے سب سے پہلے ۱۵۸۱ء میں کوہ یورال عبور کیا اس کے بعد روس کی آبادی آہستہ آہستہ مشرق کی جانب بڑھتی گئی لیکن اس کی رفتار نہایت سست تھی کیونکہ ذرائع آمد ورفت مفقود تھے اور آب وہوا کے اعتبار سے سائبیریا کا خطہ نہایت تکلیف دہ تھا۔ سائبیریا میں بحرالکاہل کی جانب آبادی کی حرکت قریب ویسے ہی تھی جیسے امریکہ میں مشرق سے مغرب کی جانب بحراوقیانوس کے ساحل سے بحرالکاہل کی طرف تھی۔ ۱۶۳۹ء میں روسیوں نے بحرالکاہل کے اطراف میں آبادیاں قائم کیں۔ اس طرح روسی آبادی کو سائبیریا طے کرنے میں ۶۰ سال صرف کرنے پڑے۔ یہاں روسی آبادی کی سب سے پہلے خاندان مانچو کے چینی حکمرانوں نے مخالفت کی۔ لیکن اس

مخالفت کے باوجود روس کے باشندے آباد ہوتے رہے ۔ بالآخر روس اور
چین کے درمیان عہدنامہ نرچنک ہوا جس کی رو سے روسی آبادی کو دریائے
امور کے شمالی علاقہ میں محدود کر دیا گیا۔ لیکن یہ قید صرف ۱۸۰۰ء تک قائم رہی
انیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ روس اور چین کے اختلافات شروع
ہونے لگے۔ ان حکومتوں کے درمیان خوشگوار تعلقات کی ذمہ داری سائبیریا
کے گورنر مورے ویوا ([illegible]) پر عائد ہوتی ہے۔ جس
نے ہر ممکن طریقے سے چین کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی اور
روسی اثرات کو بڑھانا شروع کیا۔ مورے ویو کا دور حکومت ۱۸۴۷ء
سے شروع ہوا اور سائبیریا میں انتظامی ابتری دور کرنے میں اس نے بہت
سختی کی۔ اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ روس کی آبادی مانچوریا اور اس
کے بعد چین کے زرخیز علاقوں میں داخل ہو گی۔ چین سے تعلقات قائم
کرنے میں اس نے تدبیر سے کام لیا اور چند پسندیدہ اور مناسب حال عہدنامے
کیے۔ اس کی کوشش سے روس کا علاقہ مشرق کی جانب بحرالکاہل تک اور
جنوب میں کوریا تک بڑھ گیا اور اس نئے علاقہ میں ہزارہا روسی باشندے
آباد ہوئے۔ روس اور چین کا ۱۸۹۶ء میں ایک خفیہ عہدنامہ ہوا جس
کی رو سے ایک روسی کمپنی کو چینی مشرقی ریلوے (Chinese Eas-
tern Railway) بنانے کا ٹھیکہ دیا۔ اس ریلوے کی تعمیر سے مانچوریا
میں روس کو سیاسی اور اقتصادی اثرات قائم کرنے کا موقع ملا۔ اس کے
بعد چین نے اجازت دی کہ پورٹ آرتھر میں روس اپنا بحری مستقر قائم

کرے۔ اور مانچو۔ یا میں ایک نئی ریلوے لائن تعمیر کرے۔ باکسر کی جنگ کے سلسلے میں روس نے اپنی فوج کی بڑی تعداد مانچو۔ یا بھیج دی تھی۔ اور اور شورش کے فرو کرنے میں چینی حکومت کی امداد بھی کی تھی۔ اس جنگ کے اختتام کے بعد روس نے مانچوریا سے فوجیں نہیں ہٹائیں۔ جنگ کے دوران میں اس نے مانچوریا پر حکومت بھی قائم کر دی تھی۔ ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ روس کا چین پر تمام بیرونی اقوام سے زیادہ اثر تھا۔ مانچوریا میں مراعات اور رسوخ حاصل کرنے کے بعد روس نے کوشش کی کہ کوریا کی جانب قدم اٹھائے لیکن یہاں جاپان نے سخت مخالفت کی اور بحر الکاہل کی طرف روس کی توسیع کے پروگرام کو قریب قریب تباہ کر دیا۔

چین اور مانچوریا میں روس کی توسیع دیکھ کر جاپان بے چین ہو رہا تھا۔ روس کا مقابلہ یورپ کی اور دول نہیں کر سکتی تھیں۔ صرف جاپان اس قابل تھا کہ اس سیلاب کو روکے۔ چین اور مانچوریا میں مراعات حاصل کرنے کے بعد روس نے کوشش کی کہ کوریا میں اثرات قائم کرے۔ لیکن کوریا میں اقتدار برقرار رکھنے کے لئے جاپان ہر قربانی کرنے کے لئے تیار تھا۔ گفت و شنید سے کوریا میں جاپانی اور روسی حقوق کا مسئلہ حل نہیں ہوا۔ جاپان اور روس کے درمیان ایک جنگ ہوئی جس نے اس قضیہ کو ختم کیا۔ روس کو شکست ہوئی اور صلحنامہ پورٹسمتھ (Treaty of Portsmouth) کی رو سے جنوبی مانچوریا میں روس نے اپنے تمام حقوق سے دستبرداری کا اعلان کیا اور یہ تمام مراعات جاپان کو دی گئیں۔ جاپان کو جزیرہ سکھالین

کا نصف حصہ بھی دیا گیا۔ اس شکست کے بعد روس بحر اکاہل میں قبضہ حاصل نہیں کر سکا۔

اس کے بعد چند سال گے لئے روس کی حکومت اندرونی معاملات میں مشغول رہی۔ ۱۹۱۷ء میں روس کا مشہور انقلاب ہوا اور زار روس کا خاتمہ کرنے کے بعد کمیونزم کے اصول پر سوویٹ روس کی حکومت قائم کی گئی۔ اس زبردست انقلاب کے بعد ملک میں انتظام اور امن وامان قائم کرنا آسان کام نہیں تھا۔ نومبر ۱۹۲۲ء میں سائبیریا کا علاقہ سوویٹ یونین میں شامل کیا گیا۔ حکومت روس نے نہایت جانفشانی سے متواتر کام کیا اور نہایت مختصر عرصہ میں زار روس کے عہد کی تمام خرابیوں کو دور کر کے زراعت اور صنعت وحرفت کی ترقی کا بہترین لائحہ عمل پیش کیا۔ روس میں خوشحالی اور امن وامان قائم ہوا۔ اندرونی انتظام سے فرصت حاصل کرنے کے بعد روس نے پھر مشرقی حدود کی طرف توجہ کی۔

چین میں مفلسی اور غریبی بہت زیادہ ہے، زرعی اور معدنی دولت کی کثرت کے باوجود افلاس اور بیکاری پھیلی ہوئی ہے روس کے انقلاب اور سوویٹ حکومت کی برکات کا حال سن کر چین کی رعایا بہت متاثر ہوئی اس کے علاوہ حکومت روس اشتراکیت کے اصول کی تبلیغ اپنا فرض منصبی سمجھتی ہے۔ ۱۹۲۵ء اور ۱۹۲۷ء کے درمیان چین میں روس کا بہت اثر رہا تھا۔ لیکن حکومت چین نے محسوس کیا کہ روس سے تعلقات کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چین میں بھی کمیونزم پھیل جائے گا اس ڈر سے چین نے

تمام روسی مشیروں کو علیحدہ کر دیا اور ۱۹۲۶ء کے بعد دونوں کے تعلقات قریب قریب منقطع ہو گئے۔ ۱۹۲۹ء میں چین نے کوشش کی کہ چینی ریلوے (Chinese Eastern Railway) روس سے واپس لے۔ روس نے اس کی سختی سے مخالفت کی اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے فوج بھیجی۔

چین کے مغربی صوبوں میں کمیونزم کی اشاعت برابر ہوتی رہی۔ حکومت چین نے بھی بالآخر محسوس کیا کہ روس سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ ۱۹۳۲ء میں دونوں ممالک کے سیاسی تعلقات دوبارہ قائم ہوئے حکومت چین کو معلوم ہو گیا ہے کہ اس کا روس سے زیادہ خطرناک دشمن جاپان ہے۔ چین کی جمہوری حکومت اور روس کی سوویٹ یونین کے نصب العین میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ لیکن ان دونوں کا سب سے بڑا دشمن جاپان ہے۔ جہاں سرمایہ داری اور شہنشاہیت کا دور دورہ ہے جاپان اور چین کی موجودہ جنگ میں بھی روس نے چین کی امداد کی ہے۔ جس کا مفصل ذکر ہم کر چکے ہیں۔

جاپان اور روس میں جنگ کے امکانات ہیں۔ جاپان نے سوویٹ روس کی حکومت کو ۱۹۲۵ء تک تسلیم نہیں کیا۔ اس کے بعد ۱۹۳۱ء تک روس اور جاپان میں کوئی جنگ نہیں ہوئی لیکن ۱۹۳۱ء میں مانچوکو کی نام نہاد آزاد حکومت کے قیام کے بعد جاپان اور روس کے درمیان مختلف فیہ مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مانچوکو پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد جاپان نے اپنی سرحد کو بہت آگے بڑھا دیا ہے۔ روس کا خیال ہے کہ جاپان سائبیریا کے ایک علاقہ پر قبضہ کرنا چاہتا ہے تاکہ جاپان کی

نوآبادکاری کے لیے استعمال کیا جائے۔ مانچوکو کی سرحد پر روس اور جاپانی
افواج میں مٹ بھیڑ ہوتی رہتی ہے۔ جاپان کو خطرہ لگا رہتا ہے کہ روس
پرانی شکست کا بدلہ لے گا اور بحر الکاہل میں اقتدار حاصل کرنے کی کوشش
کرے گا۔ جاپان کو روس سے ایک اور زبردست خطرہ ہے۔ جاپان میں
مزدوروں اور کاشتکاروں میں بیداری کے آثار پیدا ہو رہے ہیں اور
جاپان کی استعماریت کو ڈر ہے کہ روس کے انقلابی خیالات مزدوروں اور
کاشتکاروں تک نہ پہنچیں۔ اگر ایسا ہوا تو جاپان کی شہنشاہیت اور سرمایہ
داری کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے گا۔ مانچوکو کی حکومت روس اور جاپان
کے درمیان غالباً اس لیے قائم کی گئی ہے کہ روس کی سرحد جاپان سے دور
رہے اور اس کے انقلابی جراثیم جاپان کی سرمایہ داری کے لیے تباہ کن ثابت
نہ ہوں۔

روس اور جاپان کے مسائل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان
ہمسایہ اقوام میں بنیادی اختلاف ہیں۔ جاپان کو روس سے دو باتوں کا
خطرہ ہے، ایک کمیونزم کا دوسرے روس کی بحر الکاہل میں اقتدار کی کوشش
کا۔ اس کے خلاف روس کو جاپان سے صرف یہ شکایت ہے کہ وہ روس
کے جائز مطالبات میں رکاوٹ پیدا کر رہا ہے اور سائبیریا کے وسیع علاقوں
میں نوآبادیات قائم کرنے کا متمنی ہے۔ دونوں ممالک نے جنگ کی پوری تیاریاں
کی ہیں۔ نقشہ نمبر ۱۵ سے اندازہ ہوتا ہے کہ روس اور جاپان کی آئندہ جنگ
کس طرح رونما ہوگی۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ روس کو شکست دینے

کے بعد جاپان کو خاص فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ لیکن روس کے حملہ سے یا جنگ میں کامیابی کے بعد (دونوں صورتوں میں) جاپان کو شدید نقصان پہنچے گا۔ روس کی ہوائی طاقت بہت زیادہ ہے اور وہ بمباری سے جاپان کی گنجان آبادی کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا سکتا ہے، بالخصوص اس وجہ سے کہ جاپان کے اکثر مکانات کاغذ اور لکڑی کے بنے ہوئے ہیں اگر جنگ میں روس کو کامیابی ہوئی تو وہ بحرالکاہل میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد بحری قوت کو مستحکم کرے گا۔ اور بحری تجارت کو فروغ دے سکے گا۔ جاپان کی ہوائی طاقت روس کے برابر نہیں ہے۔ موجودہ جنگ کی وجہ سے جاپان کی قوت بہت کم ہوگئی ہے۔ اِن حالات میں جاپان روس کا پوری طرح مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ روس کے وسیع علاقہ میں جاپانی فوجیں کامیابی حاصل نہیں کر سکیں گی اور اگر کسی طرح انھیں کامیابی ہوئی بھی تو روس میں جاپانی نوآبادی کا قیام بہت مشکل ہوگا۔

بحرالکاہل میں ہالینڈ کے مقبوضات

اور اس کی سیاسی پالیسی

مجمع الجزائر شرق الہند کا اکثر و بیشتر حصہ ہالینڈ کے قبضہ میں ہے یہ جزیرے نہایت زرخیز ہیں اس لئے ان مقبوضات کی تجارت سے ہالینڈ کو بہت زیادہ فائدہ رہتا ہے اور وہ ایک چھوٹا ملک ہونے کے باوجود ان جزیروں میں بحری اور ہوائی استحکام پر کافی رقم صرف کر سکتا ہے۔ نقشہ نمبر ۴ کے دیکھنے سے ولندیزی مقبوضات کی درآمد برآمد کا اندازہ ہوتا ہے ان جزائر کی اشیائے خام پر ہالینڈ کی صنعتوں کا دارومدار ہے۔ ان جزیروں میں اشیائے خام کی کثرت ہے۔ ہالینڈ نہ صرف اپنے لئے اشیائے خام مہیا کرتا ہے بلکہ انگلستان کو بھی ان جزائر کی پیداوار کا ایک بڑا حصہ دیتا ہے۔ انگلستان اور ہالینڈ کا تجارت کے معاملہ میں اتحاد رہتا ہے اور معدنی پیداوار کی تجارت کے لئے متحدہ کمپنیاں قائم ہیں۔ ان جزیروں کی اہمیت کا اندازہ اس سے بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ دنیا کی ربڑ کی کل پیداوار کا ایک تہائی حصہ اور ٹین کی کل پیداوار کا ایک چوتھائی حصہ ان جزیروں سے حاصل کیا جاتا ہے ان کے علاوہ جاوا میں گنے کی کاشت اور شکر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ چند سال قبل دنیا میں سب سے زیادہ شکر جاوا میں تیار کی جاتی تھی لیکن اب ہندوستان سب سے زیادہ شکر تیار کرتا ہے۔ ہندوستان میں شکر کی صنعت کے ترقی

پانے سے ہالینڈ کی تجارت پر بہت بڑا اثر پڑا ہے

مجمع الجزائر شرق الہند پر ہالینڈ سے پہلے پرتگال کا رسوخ تھا۔ ان جزیروں سے پرتگال کی تجارت کا آغاز سولھویں صدی میں ہوا۔ مشرق بعید میں پرتگال کا تجارتی اور سیاسی اقتدار ایک صدی تک قائم رہا۔ لیکن بعد میں حکومت پرتگال کی کمزوری اور یورپین اقوام کے تباہ کن مقابلہ کی وجہ سے یہ رسوخ ختم ہوگیا۔ مشرق بعید میں تجارتی حقوق پرتگال کے ہاتھ سے نکل کر ہالینڈ کے قبضہ میں آگئے۔ سترھویں صدی کے اواخر میں ہالینڈ کی تجارت میں غیر معمولی ترقی ہوئی۔ تجارت کو فروغ دینے اور اقتصادی مفاد کے تحفظ کے لئے ہالینڈ نے سیاسی اثرات قائم کرنے شروع کئے اور کوشش کی کہ جزائر شرق الہند پر قبضہ حاصل کرے۔

جزائر شرق الہند پر اقتصادی اور سیاسی اقتدار حاصل کرنے میں برطانیہ اور ہالینڈ کی رقابت شروع ہوئی۔ برطانیہ کی بحری قوت میں الزبتھ کے دور حکومت میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ مشرق میں ہالینڈ سے مقابلہ کرنے کے لئے برطانیہ پوری طرح تیار تھا۔ سب سے پہلے پرتگال کے اثر کو ختم کرنے میں برطانیہ اور ہالینڈ میں کشمکش کا آغاز ہوا۔ برطانیہ کی توجہ اور مقبوضات کی طرف تھی اس لئے وہ جزائر شرق الہند میں ہالینڈ کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ ۱۶۲۳ء کے بعد برطانیہ نے مجمع الجزائر شرق الہند پر تسلط اور تجارتی حقوق حاصل کرنے کا خیال چھوڑ دیا۔ اس کے بعد ۱۶۴۱ء میں ہالینڈ نے پرتگال کو ہمیشہ کے لئے جزائر شرق الہند سے نکال دیا اور یہاں کی سیاست اور تجارت کا بلا شرکت غیرے مالک بن گیا۔

جزائر شرق الہند پر ہالینڈ کی حکومت بہت سخت اور جابرانہ تھی۔ ہالینڈ کی حکومت کا واحد مقصد یہ تھا کہ ان جزیروں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جائے۔ ان جزیروں کے باشندوں سے باقاعدہ اور من مانا خراج طلب کرتے تھے۔ قوانین صرف اس غرض سے مرتب کئے جاتے تھے کہ ولندیزی حکومت کو آسانیاں اور فائدے پہنچیں لیکن رعایا کے آرام و آسائش اور فلاح و بہبود کا کوئی خیال نہیں رکھا گیا تھا۔ ہالینڈ نے کبھی کوشش نہیں کی کہ علم و ہنر یا مغرب کی دوسری خوبیاں کو جزائر شرق الہند کے باشندوں میں عام کرے۔ یہاں کے باشندوں کو تجارت اور سیاسی معاملات میں حصہ لینے کا بالکل موقع نہیں دیا گیا۔ اس طرح ولندیزی دور حکومت ظلم وستم اور تاجرانہ برتاؤ کا بدترین نمونہ تھا۔

ہالینڈ نے ان جزیروں کی بیرونی ممالک سے تجارت قریب قریب بند کردی تھی۔ اس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ ان مقبوضات کی برآمد پر بہت زیادہ محصول عائد کئے گئے۔ لیکن ہالینڈ کو جو مال بھیجا جاتا تھا اس پر بہت کم محصول مقرر کیا گیا۔ تمام تجارت ہالینڈ کے تاجروں کے ہاتھ میں تھی۔ ان سختیوں کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے تاجروں نے خلاف قانون برآمد و درآمد شروع کی جکومت نے ہر ممکن طریقہ استعمال کیا کہ خلاف قانون تجارت کا انسداد کرے لیکن کامیابی نہیں ہوئی، ہالینڈ کی کوشش کہ جزائر شرق الہند کی تمام تجارت ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے پاس رہے، تمام قوانین اور حکومت کی سختیوں کے باوجود ناکام رہی بالآخر ہالینڈ نے فیصلہ کیا کہ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ختم کرے۔ چنانچہ ۱۷۹۸ء میں اس کمپنی کا کاروبار بند کر دیا گیا۔

انیسویں صدی کی ابتدا میں مشرق کے تمام دلندیزی مقبوضات مختصر وقفہ کے لئے برطانیہ کے قبضہ میں آگئے تھے۔ یورپ میں نپولین کی وسیع فتوحات کے سلسلہ میں ہالینڈ بھی آگیا تھا۔ اس لئے جزائر شرق الہند پر ہالینڈ کا قبضہ قائم نہیں رہ سکا۔ برطانیہ فرانس کی مخالفت کر رہا تھا اس لئے برطانیہ نے اپنی جنگ کو مشرق میں بھی جاری رکھا۔ ۱۸۱۱ء میں برطانوی افواج نے بیٹویا پر قبضہ کرلیا اس طرح بظاہر برطانیہ کی قدیم آرزو کہ جزائر شرق الہند پر تسلط حاصل کرے دو صدیوں کے بعد پوری ہوئی۔ لیکن برطانیہ زیادہ عرصہ تک ان جزیروں کی دولت سے فائدہ نہیں اٹھا سکا۔ ۱۸۱۶ء میں وائنا کی صلح کے بعد یہ مقبوضات ہالینڈ کو واپس دے گئے۔

جزائر شرق الہند پر ہالینڈ کے تسلط کا دوسرا دور بہت بابرکات ثابت ہوا۔ ہالینڈ کے باشندوں نے اپنے بادشاہ کی مطلق العنانی کے خلاف احتجاج کیا اور حکومت کو مجبور کیا کہ اصلاحات نافذ کرے تاکہ رائے عامہ کو حکومت کے معاملات میں دخل دینے کا موقع ملے۔ ہالینڈ میں آئینی اصلاحات کے مطالبہ کے سلسلہ میں شرق الہند کے مقبوضات کی زبوں حالی کو ظاہر کیا گیا تاکہ حکومت کی غفلت ثابت کی جائے۔ حکومت کی جابرانہ سرگرمیوں کو عام کیا گیا۔ اس تحریک سے حکومت مجبور ہوئی کہ اپنی پالیسی بدلے چنانچہ ۱۸۵۴ء میں ہالینڈ کی حکومت نے ایک جدید مقبوضاتی دستور اساسی منظور کیا۔ اس کے بعد اور کئی اصلاحات نافذ کی گئیں اور رفتہ رفتہ جزائر شرق الہند کے باشندوں کو حکومت کے کاروبار میں اختیارات دئے گئے۔ ان جزائر میں سیاسی بیداری کا پتہ نہیں چلتا کیونکہ

یہاں کے باشندوں نے ابھی تک آزادی کا مطالبہ نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سیاسی آزادی کے خیال کے پیدا ہونے سے پہلے ہالینڈ نے اصلاحات نافذ کر دی تھیں۔ اس لئے رعایا میں بے اطمینانی اور سیاسی ہل چل نہیں پھیلی۔ نئے دستور اساسی کے ماتحت ان جزیروں میں بہت ترقی ہوئی۔ نئی صنعتیں جاری کی گئیں۔ مزروعہ زمین کے رقبہ میں اضافہ کیا گیا اور بیرونی تجارت میں بہت ترقی ہوئی۔ ان وجوہ کی بنا پر یہاں کی آبادی سرعت سے بڑھنے لگی۔ نقشہ نمبر ۲ سے پتہ چلتا ہے کہ جاوا اور مدورا میں تناسب آبادی و مزروعہ زمین بحرالکاہل کے تمام ممالک سے زیادہ ہے۔

۱۹۲۰ کے بعد ہالینڈ کو اپنے مشرقی مقبوضات کے سلسلہ میں سخت مشکلات پیش آئیں مستقبل کے متعلق بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ان جزائر پر ہالینڈ کا قبضہ قائم رہے گا یا نہیں، ہالینڈ نے اپنے مقبوضات کے تحفظ کے لئے ممالک غیر سے معاہدے نہیں کئے کیونکہ اس کی پالیسی ہمیشہ غیر جانبدارانہ رہی۔ ہالینڈ کو سب سے زیادہ ڈر جاپان کا ہے، کیونکہ جاپان کو اپنی صنعت و حرفت کے لئے اشیائے خام کی ضرورت ہے جن کی ولندیزی مقبوضات میں کوئی کمی نہیں۔ اس کے علاوہ جاپان اعلان کر چکا ہے کہ ایشیاء اور اس کی دولت صرف ایشیائی ممالک کے لئے ہے اور یورپ کی قومیں ایشیاء سے زیادہ عرصہ تک فائدہ نہیں اٹھا سکتیں۔ ان حالات میں ہالینڈ کے مقبوضات کو محفوظ نہیں کہا جا سکتا تجارتی سرد بازاری اور بیرونی ممالک میں صنعت و حرفت کی ترقی نے ولندیزی مقبوضات کی درآمد و برآمد کو سخت نقصان پہنچایا ہے

جاپان کے مقابلہ میں ہندوستان، چین اور دوسرے ایشیائی ممالک میں ہالینڈ اپنی تجارت کو برقرار نہیں رکھ سکا۔ اس طرح ہالینڈ کی مشکلات سیاسی اور اقتصادی ہیں۔ ہالینڈ کی ہمیشہ یہ پالیسی رہے گی کہ بین الاقوامی جنگ سے علیحدہ رہ کر اپنے مقبوضات اور تجارتی مفاد کے تحفظ کا انتظام کرے۔ بالغرض یورپ کی موجودہ جنگ میں ہالینڈ کسی غیر اختیاری سبب کی بنا پر شریک ہو گیا تو مجمع الجزائر شرق الہند کی سیاسی اور اقتصادی پالیسی اس کے ہاتھ سے نکل کر اس کے قوی تر شریک کے ہاتھ میں پہنچ جائے گی۔

۸۔ جاپان، برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ

اس باب میں ہم جاپان، برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ کے سیاسی تعلقات پر بحث کریں گے کیونکہ بحرالکاہل میں امن کا دارومدار ان کے باہمی خوشگوار تعلقات پر ہے۔ سب سے پہلے جاپان اور برطانیہ کی رقابت کا ذکر کیا جائے گا۔ حال میں تین واقعات ایسے ہوئے ہیں جن سے توقع کی جا سکتی ہے کہ شاید جنگ تک نوبت نہ پہنچے۔ پھر بھی سیاسی اور اقتصادی مفاد کے پیش نظر کشمکش جاری رہ سکتی ہے۔ ان واقعات میں سب سے پہلے جرمنی اور روس کا عہدنامہ امن (Non Aggression Pact) ہے جو ستمبر ۱۹۳۹ء میں ہوا۔ جرمنی اور روس کے اس عہدنامہ سے جاپان کو معلوم ہو گیا کہ روس کے خلاف جرمنی، اطالیہ اور جاپان کا عہدنامہ (Anti Comintern Pact) حرف غلط ہو کر رہ گیا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جاپان اور روس کی دشمنی نہایت قدیم ہے اور سیاسی مفاد کا تصادم اس قدر نمایاں ہے کہ ان دو ممالک کے درمیان خوشگوار تعلقات کی امید مشکل ہے۔ جرمنی اور اطالیہ کی روس کے خلاف سرگرمیوں سے جاپان مطمئن تھا کہ روس کو مشرق اور مغرب دونوں حدود میں (جاپان اور جرمنی سے) مقابلہ کے لئے تیار رہنے کی ضرورت ہے۔ جرمنی اور روس کے اتحاد کی وجہ سے مغربی سرحد پر روس کو خطرہ باقی نہیں رہا اس لئے وہ اپنی توجہ مشرق کی جانب پوری طرح مبذول کر سکتا ہے۔ ان

حالات میں روس کے لئے ممکن ہے کہ چین میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھے اور جاپان کی فتوحات میں مشکلیں پیدا کرے۔ روس کے اس نمایاں خطرہ کی وجہ سے قیاس کیا جاتا ہے کہ جاپان اس امر کی کوشش کرے گا کہ برطانیہ سے جنگ نہ کرے۔ اسی سلسلہ میں دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ریاستہائے متحدہ نے جاپان کو ۱۹۱۱ء کے تجارتی عہدنامہ کو مسترد کرنے کی اطلاع دی اور یہ عہدنامہ ختم بھی کیا جا چکا ہے کارڈل ہل (Cordell Hull) وزیر ریاستہائے متحدہ نے ۱۹۱۱ء کے تجارتی عہدنامہ کو ختم کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ "یہ عہدنامہ دسمبر ۱۹۳۹ء تک قائم رہے گا۔ اس عرصہ میں ریاستہائے متحدہ جاپان کے طرز عمل کا بغور مطالعہ کرے گا۔ اگر معلوم ہوا کہ جاپان سے کوئی تجارتی عہدنامہ کرنا ضروری ہے تو غور کیا جائے گا کہ نئے تجارتی عہدنامہ کی کیا شرائط ہوں۔ اگر جاپان سے کوئی نیا تجارتی عہدنامہ کیا گیا تو سب سے پہلے اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ ریاستہائے متحدہ کے مفاد اور باشندوں کا جاپان پورا احترام کرے گا"۔ ریاستہائے متحدہ سے تجارت جاپان کے لئے نہایت اہم ہے۔ مثلاً جاپان کی اشیائے خام کا ۶۰ فیصدی حصہ ریاستہائے متحدہ سے آتا ہے اگر ریاستہائے متحدہ سے جاپان کا تجارتی عہدنامہ نہیں ہوا تو جاپان کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ غالباً جاپان اس کے لئے تیار نہیں ہوگا کہ ریاستہائے متحدہ سے تجارتی تعلقات توڑ کر اپنی صنعت و حرفت کو خطرہ میں ڈالے۔ ریاستہائے متحدہ سے سامان حرب حاصل کئے بغیر چین میں جنگ کا جاری رکھنا نہایت دشوار ہوگا۔ ان حالات میں کہ ریاستہائے متحدہ سے تعلقات کشیدہ ہو رہے ہیں، جاپان کوشش کرے گا

کہ برطانیہ کو واقعی زیادہ ناراض نہ کرے۔

تیسرا اہم واقعہ برطانیہ کا ریاستہائے متحدہ کو اپنے بحرالکاہل کے مقبوضات میں جنگی استحکامات بنانے کی اجازت دینا ہے۔ یہ آخری چیز غالباً سب سے زیادہ اہم ہے۔ جاپانی دیکھ رہے ہیں کہ اہل امریکہ کس طرح دل کھول کر اس لڑائی میں برطانیہ کی مدد کر رہے ہیں اور رائے عامہ ہٹلر کو برطانیہ ہی کا نہیں بلکہ حریت کا دشمن سمجھ رہی ہے۔ اسی حالت میں اگر جاپان نے برطانیہ کے خلاف کسی جنگی کارروائی کا ارادہ کیا تو امریکہ سے ٹکر یقینی ہے۔ اس لئے ان تینوں واقعات کے پیش نظر ہمارا خیال ہے کہ فی الحال برطانیہ اور جاپان کے درمیان جنگ کا امکان بہت کم ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ۱۹۲۱-۱۹۲۲ء میں جاپان اور برطانیہ کے درمیان معاہدہ ہو جاتا تو جاپان کی پالیسی برطانیہ کے خلاف اتنی سخت نہ ہوتی۔ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ جاپان اور برطانیہ کے خوشگوار تعلقات کا اثر جاپان پر بہت پڑتا اور شاید وہ چین میں اپنی موجودہ پالیسی کو ایک حد تک بدلنے پر مجبور ہو جاتا۔ لیکن یہ مسلمہ امر ہے کہ جاپان اور برطانیہ کے درمیان خوشگوار تعلقات کا قائم رہنا بہت مشکل ہے کیونکہ ایک طرف جاپان کے وسیع ارادے اور ایشیا پر اقتدار کی کوشش ہے اور دوسری طرف برطانیہ کا مفاد ہے جس کے تحفظ کے لئے وہ ہر ممکن طاقت صرف کرنے کے لئے تیار ہے۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ گزشتہ جنگ عظیم کے آغاز کے فوراً بعد جاپان نے چین پر اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کی اور ۱۹۱۵ء میں اکیس نکات

پیش کئے تھے اور یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب جاپان اور برطانیہ متحد تھے۔
جنگ عظیم کے ابتدائی دور میں جاپان کی چین میں سرگرمیاں جاپان کے موجودہ حملہ کا پیش خیمہ تھیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ۱۹۲۲ء میں برطانیہ اور جاپان کے درمیان صلحنامہ صرف اس لئے نہیں ہوا کہ ریاستہائے متحدہ اور کینیڈا اس کے مخالف تھے۔
اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ برطانیہ نے ریاستہائے متحدہ کی خوشنودی اور جاپان کی خوف آئند توقعات کو اچھی طرح دیکھ لیا ہوگا۔ برطانیہ کے لئے ریاستہائے متحدہ کی دوستی جاپان کی دوستی کی نسبت زیادہ قابل قدر ہے۔ بالخصوص اس لئے کہ جاپان سے تصادم مسلمہ امر ہے۔ بحرالکاہل میں جاپان کے مقابلہ کے لئے محاذ قائم کرنے میں برطانیہ نے ہمیشہ کوشش کی کہ ریاستہائے متحدہ بھی ساتھ رہے تاکہ جاپان کے مقابلہ میں برطانیہ تنہا نہ رہ جائے۔ برطانیہ کی "توازن قوت" کی قدیم پالیسی جس پر اُس نے یورپ میں ہمیشہ عمل کیا ہے بحرالکاہل میں بھی اختیار کی گئی ۱۹۲۲ء میں برطانیہ کا جاپان کے ساتھ تعاون (خصوصاً اس حالت میں کہ ریاستہائے متحدہ راضی نہ تھا) کسی طرح نہ ہو سکتا۔
جاپانی حکومت اور رائے عامہ نے برطانیہ کے اس طرز عمل کو بہت بری نظر سے دیکھا اور اُن کا خیال ہے کہ برطانیہ نے اپنے ایک دوست کو ٹھکرا دیا۔ ۱۹۲۲ء کے بعد سے برطانیہ کے خلاف جذبات نفرت کا اظہار کیا جاتا ہے اور جاپانیوں کی موجودہ سرگرمیاں اس مخالفت کو ظاہر کرتی ہیں۔
تاریخ پر سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۹۲ء کی جنگ چین میں روس اور جرمنی کے مقابل شکست کھانے کے بعد جاپان نے ہمیشہ کوشش کی

کہ کسی ایک یورپین ملک سے خوشگوار تعلقات قائم کرکے اشتراک عمل کرے۔ اشتراک عمل کے لئے جاپان کو برطانیہ سے زیادہ مناسب اور کوئی ملک نظر نہیں آیا۔ چنانچہ ۱۹۱۴ء کے بعد جاپان نے کوشش کی کہ برطانیہ سے معاہدہ کرے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ جاپان کس حد وجہد میں برطانیہ سے تعاون عمل چاہتا ہے اور یہ تعاون کس طرح ممکن ہے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ جاپان چاہتا تھا کہ مشرق بعید میں اپنی بیرونی پالیسی کے لئے برطانیہ کی ہمدردی حاصل کرے تاکہ دوسری دول کے حقوق اور احتجاج کو نظر انداز کرکے چین پر پوری طرح قابض ہوجائے۔ عہدنامہ واشنگٹن (Washington Nine Power Treaty) کے بعد بھی جاپان نے اپنی کوشش کو جاری رکھا کہ برطانیہ سے تعاون حاصل کرکے چین پر اقتدار حاصل کرے۔

جاپان کو چین سے متعلق بیرونی پالیسی کے واضح کرنے میں کئی سال صرف کرنے پڑے۔ اس کا سبب جاپانی رہنماؤں کی باہمی مخالفت تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام جاپانی رہنماؤں کا مقصد تھا کہ چین پر اقتصادی اور سیاسی اقتدار حاصل کیا جائے۔ لیکن اختلاف صرف پروگرام کے بارے میں تھا کہ سب سے پہلے چین کے کس حصہ پر قبضہ کیا جائے اور بیرونی اقوام کے متعلق کیا طریقہ اختیار کیا جائے بالآخر جاپانی رہنماؤں کی آپس کی مخالفت ختم ہوئی اور جاپان نے اپنے پروگرام کو اس شکل میں مرتب کیا جو ہمارے سامنے ہے۔ جاپان کی اندرونی مخالفت کے متعلق مختصراً یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ پندرہ سال سے وہاں دو جماعتیں کام کر رہی ہیں۔ ایک جماعت اعتدال پسند

سیاست دانوں کی ہے اور دوسری انتہا پسند فوجی لیڈروں کی جو جاپانی سلطنت
کے خواب کی تعبیر دیکھنے کے لئے بے چین ہے ۔ اول الذکر جماعت کے لیڈر
بیرن شیڈے ہارا Baron Shidehara کی اعتدال پسند
پالیسی کے خلاف رائے بڑھتی گئی اور دوسری جماعت نے اپنی سرگرمی کو سختی سے
جاری رکھا جس کا نتیجہ ۱۹۳۱ء میں مانچوریا پر تسلط کی شکل میں نمودار ہوا۔ مانچوریا
پر قبضہ ہو جانے کے بعد انتہا پسند جماعت حکومت کے طرز عمل پر برابر اثر ڈالتی رہی اور اس
وقت اس کا اثر اتنا بڑھ چکا ہے کہ جاپان میں حکومت کی موجودہ پالیسی کے خلاف کوئی
آواز بلند نہیں کی جا سکتی۔ جاپان کی رائے عامہ بھی انتہا پسند فوجی لیڈروں کے ساتھ ہے۔

جاپانی حکومت اور جاپانی قوم دونوں متمنی ہیں کہ چین پر تسلط حاصل
کریں۔ جاپان کو چین میں جس سخت مخالفت کا مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے وہ ایک
قوم کو بد دل کر دینے کے لئے کافی ہے۔ لیکن جاپانی حکومت فتوحات کے دعوؤں
سے رائے عامہ کی ہمدردی حاصل کر رہی ہے۔ جاپان اپنی فتوحات کے راستہ
میں سب سے بڑی رکاوٹ برطانیہ کو سمجھتا ہے۔ ۱۹۳۷ء کے بعد جاپان میں
برطانیہ کے خلاف زبردست احتجاج کئے گئے۔ کیونکہ جاپانی قوم کو یقین ہو گیا
ہے کہ اس کے نصب العین کے راستے میں برطانیہ سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔
اس طرح برطانیہ کو پورے جاپان کی متحدہ رائے عامہ کا سامنا کرنا ہے بموجودہ
حالات میں برطانیہ کو مشرق بعید میں اپنی پالیسی بدلنی پڑے گی یا جاپان کو
اپنے ارادے سے باز رہنا پڑے گا۔ اگر یہ دونوں ممالک اپنی روش پر قائم
رہے تو اختلافات اور جنگ کا ہونا ناگزیر معلوم ہوتا ہے۔

جاپان یہ چاہتا ہے کہ برطانیہ اپنی خارجی پالیسی کو اس طرح تبدیل کرے
کہ جاپان کی موجودہ پالیسی سے تصادم نہ ہو۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ برطانیہ کسی طرح
جاپان کے تمام مطالبات کو پورا نہیں کر سکتا۔ لیکن اس مسئلہ پر غور کیا جا سکتا ہے
کہ جاپان کس حد تک اپنے مطالبات میں تخفیف کرنے کے لئے تیار ہے اور ان کے
قبول کرنے سے برطانیہ کو کس طرح نقصان پہنچے گا۔ برطانیہ کے چین میں مختلف صورتوں
میں کئی مفاد ہیں جن کا صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ جاپان کا نصب العین یہ ہے کہ چین میں
ایک نیا دور حکومت شروع کرے جس میں اسے چین اور مشرقی ایشیا پر اقتصادی اور
سیاسی اقتدار حاصل ہو۔ برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ اس مطالبہ کو تسلیم کرنے
کے لئے ہرگز تیار نہیں ہو سکتے۔ اگر جاپان کا مقصد یہ ہوتا کہ ایشیا کی تاریخ میں ایک
ایسے باب کا اضافہ کرے کہ چین اور ایشیا کے ممالک ایک دوسرے سے آزاد
اور قومی جذبات سے مملو اپنی قوم کے لئے سرگرم کار ہوں تو شاید برطانیہ اور
ریاستہائے متحدہ کو انکار کی جرات نہ ہو۔ چین میں قومی بیداری کے آثار نمایاں ہو
رہے ہیں اور جاپان کی موجودہ سرگرمیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ چین کی قومی زندگی
کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینا چاہتا ہے ان حالات میں دنیا کے ممالک خصوصاً برطانیہ
اور ریاستہائے متحدہ کے لئے ممکن نہیں ہے کہ جاپان کے مطالبہ کو قبول کریں کیونکہ
اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چین پر پوری طرح اقتدار حاصل کرنے کے بعد جاپان نہ صرف
چین کی سیاسی بیداری کو کچل دے گا بلکہ برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ اور بیرونی ممالک
کے مفاد کو بھی ہمیشہ کے لئے ختم کر دے گا۔

اگر برطانیہ چاہتا ہے کہ مشرق بعید میں امن قائم ہو اور جاپان سے جنگ نہ ہو

تو اسے زبردست ایثار کرنا پڑے گا۔ برطانیہ کو ایسی پالیسی اختیار کرنی پڑے گی جو اس کے بنیادی اصول اور مفاد کے خلاف نہ ہو اور جاپان کے لئے بھی زیادہ سے زیادہ قابل قبول ہو۔ اگر برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ اعلان کریں کہ وہ عہد نامہ واشنگٹن (Nine Power Treaty) پر دوبارہ غور کرنے کے لئے تیار ہیں اور جاپان کے چین پر مخصوص حقوق تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں تو شاید جاپان موجودہ جنگ کو ختم کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ بظاہر جاپان کے مطالبات یہ ہیں کہ چین سے اشیائے خام خریدنے اور وہاں مصنوعات کے لئے منڈیاں تلاش کرنے میں خاص مراعات دی جائیں۔ اس کے علاوہ جاپان کی بڑھتی ہوئی آبادی کو تبدیل وطن کے لئے بیرونی ممالک میں آسانیاں بہم پہنچائی جائیں۔ اس سلسلہ میں ریاستہائے متحدہ اور برطانیہ کی طرف سے مشترکہ اعلان ناممکن ہے کیونکہ ریاستہائے متحدہ اپنی بیرونی پالیسی پر پابندیاں عائد کرنے کے خلاف ہے۔ موجودہ جنگ چین و جاپان کے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ ریاستہائے متحدہ کے مفاد کو نقصان پہنچانے کی جاپان نے کوشش نہیں کی اور اگر اتفاقاً ریاستہائے متحدہ کے مفاد کو صدمہ پہنچا تو احتجاج کا جواب معذرت کے ساتھ دیا گیا لیکن برطانیہ کے مفاد کو کچلنے اور انگریزوں کو پریشان کرنے میں جاپان نے کبھی کوتاہی نہیں کی۔ جاپان نے برطانیہ کے احتجاج کی بھی کبھی پروا نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ برطانوی مقبوضات کو آسانی سے نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ بظاہر جاپان کئی سال تک جنگ جاری رکھنے کے لئے تیار ہے۔ موجودہ جنگ کے جاری رہنے سے نہ صرف جاپان اور چین کو شدید نقصانات ہوں گے بلکہ برطانوی مقبوضات اور مفاد امور بیرونی دول

کے مفاد کو بھی بہت نقصان پہنچے گا۔کہا جاتا ہے کہ جاپان اس جنگ کو اقتصادی
کمزوری کی وجہ سے زیادہ عرصہ تک جاری نہیں رکھ سکے گا۔ اگر اسے تسلیم بھی کرلیا
جائے تو انکار نہیں کیا جاسکتا کہ بیرونی اقوام کے مفاد کو نقصان پہنچ رہا ہے ۔
جاپانی فتوحات کا سلسلہ بہت بڑھ چکا ہے حالانکہ بعض ماہرین فن حرب
کا دعویٰ ہے کہ چین پوری طرح فتح نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ
چین کے زراعتی اور معدنی خزانوں پر جاپان قبضہ کرچکا ہے اور اگر جاپان اور
چین کے درمیان صلح ہوگئی تو جاپان مفتوحہ علاقہ کو واپس نہیں کرے گا۔ اس طرح
جاپان کو اشیائے خام مل جائیں گی اور مصنوعات کو فروخت کرنے کے لئے شمالی
چین میں منڈیاں مل جائیں گی۔ اگر برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ نے اپنے مفاد کی
کچھ قربانی منظور کرلی تو بظاہر جنگ کے امکانات کم ہوجائیں گے ۔ لیکن جاپان کے
لئے نوآبادیات کا سوال باقی رہ جاتا ہے۔ اس کے علاوہ جاپان شمالی چین پر
اکتفا نہیں کرے گا اور چند سال بعد اپنے حلقۂ اثر کو وسیع کرنے کی اور کوشش
کرے گا۔ ان حالات میں ہم نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جاپان اور برطانیہ و ریاستہائے
متحدہ کی کشمکش جاری رہے گی اور کچھ عرصہ بعد اس کا لازمی نتیجہ جنگ کی شکل
میں نمودار ہوگا ۔

۹۔ بحرالکاہل کے ممالک میں نقل وطن اور نسلی امتیاز

تقریباً ایک صدی قبل بحرالکاہل کے ممالک میں نقل وطن کا سوال پیدا نہیں ہوا تھا، اس وقت یورپ کی سفید اقوام بحرالکاہل کے ممالک میں تجارت قائم کرنے کی فکر میں تھیں۔ یورپ کی آبادی بڑھ رہی تھی اس لئے یورپ کے باشندے بحرالکاہل کے ممالک میں آباد ہونے لگے۔ ایشیائی ممالک میں باشندوں کو نقل وطن کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مثلاً چین ہر اعتبار سے چینیوں کے لئے کافی تھا، اسے اپنی تہذیب اور ملک پر فخر تھا اور وہاں کے باشندے اپنا وطن چھوڑنے کے لئے کسی طرح تیار نہیں تھے۔ اس کے علاوہ چینی حکومت نے چینیوں کو تبدیل وطن کی ممانعت کر دی تھی۔ قریب قریب یہی حال جاپان میں بھی تھا ایک عرصہ تک غیر ممالک سے جاپان کے تعلقات منقطع رہے صرف چند ممالک سے تجارتی اور سیاسی تعلقات قائم تھے۔ شمالی امریکہ کا مغربی ساحل (بحرالکاہل سے ملحق ساحل) قریب قریب غیر آباد تھا۔ کیونکہ یورپ کے نو آبادکار مشرقی ساحل سے مغربی ساحل تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ اسی طرح آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں بہت کم آبادی تھی۔ یہ واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ زمانہ میں بھی شمالی امریکہ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں فی مربع میل آبادی چین اور جاپان کے مقابلہ میں حد درجہ کم ہے۔ مثلاً فی مربع میل آبادی آسٹریلیا میں ۲ر۲ ہے، نیوزی لینڈ میں ۹۰ر۱۴، کینیڈا میں ۰ر۳، ریاستہائے متحدہ میں ۲ر۴۱، چین میں ۳ر۱۰۴ اور

جاپان (خاص) میں ۴۵۳۰۰ ہے۔ (ملاحظہ ہو نقشہ نمبر ۲) فلپائن میں ہسپانیہ کی حکومت تھی اور فلپائن کے باشندے اپنا وطن چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ بحرالکاہل کے ممالک میں نقل وطن کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ امریکہ، آسٹریلیا اور دوسری نوآبادیوں میں مزدوروں کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ زراعت صنعت و حرفت اور معدنیات کو ترقی دی جا سکے۔ ایشیا کے مزدور بالخصوص چینی اور جاپانی اپنی محنت اور ایمانداری کے لئے مشہور تھے۔ ان کی اجرت بھی سفید اقوام کے مزدوروں کی بہ نسبت بہت کم تھی کیونکہ معیار زندگی پست تھا۔ چینی اور جاپانی باشندے مزدوروں کی حیثیت سے نوآبادیوں میں پہنچے اور اپنی جانفشانی سے جنگلوں کو صاف کیا۔ خطرناک علاقوں میں اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالا اور نوآبادیوں کو اس قابل بنایا کہ وہاں انسانی آبادی زندہ رہ سکے۔

سب سے پہلے چینی مزدور سفید اقوام کا شکار ہوئے۔ کیوبا (Cuba) اور مجمع الجزائر غرب الہند میں گنے کی کاشت اور دوسرے کام کے لئے مزدوروں کی ضرورت تھی۔ اس لئے چین سے سستے محنتی اور ایماندار مزدور بلائے گئے اس نقل وطن نے مستقل تجارت کی شکل اختیار کر لی تھی کیونکہ زیادہ مزدوروں کی ضرورت تھی۔ چینی مزدوروں کی تجارت میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے ایک قانون پاس کیا گیا اور چینی حکومت نے اس تجارت کی اجازت دیدی اس کے بعد کیلی فورنیا میں سونے کی کانیں دریافت ہوئیں۔ چینی مزدور اپنی محنت اور دیانتداری کی وجہ سے بہت مشہور ہو گئے تھے۔ اس لئے کیلی فورنیا میں بھی انھیں طلب کیا گیا۔ ۱۸۵۲ء تک کیلی فورنیا میں چینی مزدوروں کی تعداد صرف ۲۵۰۰۰

(پچیس ہزار) تھی جو ریاستہائے متحدہ کی وسعت اور آبادی کو دیکھتے ہوئے صفر کے برابر تھی۔ ابتدا میں چینیوں کا خیر مقدم کیا گیا کیونکہ ان کی ضرورت تھی۔ ان کی ایمانداری، امن پسندی اور محنت کی تعریف کی گئی۔ لیکن رفتہ رفتہ سفید اقوام کا احساس برتری کام کرنے لگا اور انھیں اپنے ملک میں ایشیائی مزدور کی موجودگی شاق گذری۔ یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ امریکہ میں بھی سفید اقوام کے باشندے نووارد تھے اور امریکہ پر جتنا حق ان کا تھا اس سے زیادہ ایشیائی باشندوں کا تھا۔ ریاستہائے متحدہ کے باشندوں نے علانیہ اپنی بیزاری کا اعلان شروع کر دیا۔ ان کے اعتراضات یہ تھے کہ اقتصادی اعتبار سے ایشیائی آبادی ریاستہائے متحدہ کے لئے بارگراں ثابت ہوگی۔ حالانکہ ریاستہائے متحدہ میں پچیس ہزار چینی جو محنت شاقہ سے روزی حاصل کرتے تھے کسی طرح بار نہیں ہو سکتے تھے۔ سماجی اعتبار سے چینی مزدور اس قابل نہیں سمجھے گئے کہ ایک ہی شہر میں باشندوں کے ساتھ رہ سکیں۔ واقعہ یہ ہے کہ چینی مزدور اپنی تہذیب و تمدن کے لحاظ سے ریاستہائے متحدہ کے باشندوں سے بہت بلند سطح پر تھے اور ریاستہائے متحدہ کے خود غلط باشندے جو نیم وحشی حالات زندگی سے باہر قدم نکال رہے تھے۔ یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ ان کے مزدور انھیں تہذیب و تمدن اور اخلاق کا سبق دیں۔ چینیوں کے خلاف اخلاقی اور سیاسی اعتراضات کئے گئے۔ دنیا جانتی ہے کہ چینی مزدور اپنی محنت اور ایمانداری کی وجہ سے کیلی فورنیا بلائے گئے تھے کیونکہ وہ کیوبا اور جزائر غرب الہند میں اپنی دیانتداری کا سکہ بٹھا چکے تھے۔ سیاسی اعتراض کی کوئی حقیقت نہیں ہو سکتی کیونکہ مزدور

کی نہایت محدود جماعت ریاستہائے متحدہ کے لئے کوئی خطرہ ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔
اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ چینیوں کی موجودگی سفید اقوام کے لئے بارِ خاطر
تھی تو ان غریب مزدوروں کی آمد کو روک دیا جاتا اور جو مزدور ریاستہائے متحدہ
میں قیام کر چکے تھے انھیں زندہ رہنے کی اجازت دی جاتی۔ لیکن امریکہ والوں
نے جذبات سے بے قابو ہو کر چینیوں پر سختی شروع کی اور معصوم اور بے گناہ
مزدوروں کو بے رحمی سے قتل کرنا شروع کیا۔ ۱۸۷۱ اور ۱۸۸۵ کے درمیان
تین شہروں میں چینیوں کا قتل عام کیا گیا جس میں بے شمار چینی مارے گئے۔ ظلم و ستم
کی یہ اس قدر خونیں داستان ہے کہ دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔
افریقہ کی وحشی اور آدم خور قوموں میں بھی ایسے واقعات نہیں ملتے۔ ریاستہائے
متحدہ کے شہریوں نے بے بس اور مجبور چینی مزدوروں کا ۱۸۷۱ میں لاس اینجلس
(Los Angeles) میں، ۱۸۸۰ میں راک سپرنگس اور ۱۸۸۵
میں لاک کیپین میں قتل عام کیا۔ یہ خونیں داستان اس وقت لکھی گئی جب ریاستہائے
متحدہ میں عیسائی مبلغ حضرت عیسیٰ کی رحم و کرم کی تعلیم کو عام کر رہے تھے۔
حکومت ریاستہائے متحدہ کو قاتلوں کے خلاف سخت کارروائی کرنی چاہئے
تھی لیکن چونکہ چینی مزدوروں کا قتل ہوا تھا۔ تمام معاملہ رفع دفع کر دیا گیا۔ ریاستہائے
متحدہ نے چینیوں پر اور زیادہ سختیاں عائد کر دیں، گویا شہریوں کا قابل نفرت
برتاؤ چینی مزدوروں کے لئے ناکافی تھا۔ ریاستہائے متحدہ اور حکومت چین
کے درمیان عہد نامہ برلنگیم ۱۸۶۸ میں طے ہوا تھا۔ چینیوں کی آمد کے متعلق
تمام قوانین اس عہد نامہ کی شرائط کے مطابق مرتب کئے گئے تھے۔ ریاستہائے متحدہ

پر رائے عامہ کا بہت بڑا دباؤ پڑا اور عہد نامہ برلنگیم پر ۱۸۸۰ میں نظرثانی کی گئی اور ایک نیا عہد نامہ طے ہوا جس کی رو سے ریاستہائے متحدہ عارضی طور سے چینی مزدوروں کی آمد روک سکتا تھا لیکن قطعی بند نہیں کر سکتا تھا۔ ریاستہائے متحدہ نے ۱۸۸۲ میں چینیوں کی آمد کو دس سال کے لئے بند کر دیا رفتہ رفتہ چینیوں کو علیحدہ رکھنے کے لئے اور زیادہ سخت قوانین مرتب کئے گئے ۱۹۰۴ء میں اور زیادہ چینی ریاستہائے متحدہ سے نکالے گئے۔ اس سرگرمی کا نتیجہ یہ ہوا کہ چینی مزدوروں کی تعداد ریاستہائے متحدہ میں بہت کم رہ گئی۔

چینیوں کے بعد انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں جاپانی باشندوں کو ریاستہائے متحدہ کے مہذب شہریوں کی سختی اور نفرت کا شکار ہونا پڑا۔ جاپان کی حکومت نے چین کے تجربہ سے فائدہ اٹھا کر اپنے باشندوں کو خاص شرائط کے ماتحت نقل وطن کی اجازت دی تھی اور برابر اس پر نظر رکھی تھی کہ جاپانی باشندے چینیوں کی طرح ظلم و تعدی کا شکار نہ ہوں اور ریاستہائے متحدہ کے باشندوں کی معاندانہ سرگرمیوں کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔ جاپان کے سخت گیر رویہ کا اثر نمایاں ہوا۔ چنانچہ جاپانیوں کے ساتھ وہ برتاؤ نہیں کیا گیا جو بے کس چینیوں کے ساتھ کیا گیا تھا لیکن نسلی امتیاز اور احساس برتری کے اظہار میں ریاستہائے متحدہ کے سفید باشندوں نے کوئی کمی نہیں کی۔

۱۸۸۰ء میں ریاستہائے متحدہ کی پوری آبادی میں جاپانیوں کی تعداد صرف ۱۴۸ تھی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد جزائر ہوائی میں کاشت کاری کے

لئے مزدوروں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ ریاستہائے متحدہ نے جاپان
سے گفت و شنید کی اور ۱۸۸۵ء میں خاص قوانین کے ماتحت شہنشاہ
جاپان نے اپنی رعایا کو جزائر ہوائی جانے کی اجازت دی۔ رفتہ رفتہ جاپانی
ریاستہائے متحدہ بھی جانے لگے۔ ۱۹۰۰ء سے قبل تک جاپانیوں کی آمد کی
بہت کم مخالفت کی گئی کیونکہ جاپانی باشندے چینیوں کی نسبت عادات و اطوار
اور رہنے سہنے کے طریقہ میں زیادہ پسندیدہ سمجھے گئے۔ اندازہ کیا جاتا ہے کہ
۱۹۰۰ء تک ریاستہائے متحدہ میں جاپانیوں کی تعداد ۴۰۰۰۰ (چالیس ہزار)
تک پہنچ گئی تھی۔ اس عرصہ میں تمام ایشیائی قوموں کے خلاف ریاستہائے متحدہ میں
بیزاری اور نسلی امتیاز بڑھتا گیا۔ حکومت کو مجبور کیا گیا کہ وہ ایسے قوانین کا نفاذ کرے
جن کی رو سے ایشیائی باشندے ریاستہائے متحدہ میں شہری حقوق حاصل نہ کر سکیں۔
بالآخر ۱۹۲۴ء میں ریاستہائے متحدہ نے نقل وطن کا قانون (Immigration Act) نافذ کیا جس کی رو سے کوئی ایشیائی باشندہ ریاستہائے متحدہ
میں شہری حقوق حاصل نہیں کر سکتا۔

جاپان نے اس قانون کی سختی سے مخالفت کی لیکن کوئی خاص نتیجہ برآمد
نہیں ہوا۔ ایک اعتبار سے یہ قانون ایشیائی باشندوں کے لئے بہت مفید ہے کہ وہ
جب شہری حقوق حاصل نہیں کر سکتے تو ان طرح ایک ایسے ملک میں رہنے کا امکان پیدا
نہیں ہوتا جہاں کے باشندے انھیں نفرت اور حقارت سے دیکھتے ہیں۔ لیکن جو
ایشیائی باشندے ریاستہائے متحدہ میں شہری حقوق حاصل کر چکے ہیں ان کی
زندگی مصیبت میں مبتلا ہے۔ اس سے بھی زیادہ عذاب ان کی آئندہ نسلوں

کے لئے ہے کیونکہ اُن کی زندگی ایک ایسے ملک میں بسر ہوگی جہاں شہری حقوق حاصل ہونے کے باوجود ان پر سماجی اور قانونی بندشیں عائد ہیں۔ جاپانی یا کسی اور ایشیائی نسل کے بچوں کے لئے بہت مشکل ہے کہ اپنے آپ کو ایک نئے ملک میں ہم آہنگ کرسکیں وہ نئے ملک کے عادات واطوار اختیار کرتے ہیں لیکن ماں باپ کے اثرات کو بھول نہیں سکتے جس غریب اور مفلوک الحال ماحول میں وہ پیدا ہوتے ہیں اور تربیت پاتے ہیں۔ اس کے اثرات سے نجات حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ جاپانیوں کے خلاف ریاستہائے متحدہ میں جو مظاہرے ہوتے ہیں ان کی وجہ سے بچے پرسکون زندگی بسر نہیں کرسکتے۔ انہیں ہمیشہ احساس رہتا ہے کہ وہ ایک بیرونی ملک کے رہنے والے ہیں اور نسل کے اعتبار سے کمتر درجہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ انہیں ایک اور رنج ستاتی ہے کہ وہ اپنے آبا و اجداد کے ملک کی زیارت کریں لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ آرزو کبھی پوری نہیں ہوتی۔ امریکہ کے باشندے ایک غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ریاستہائے متحدہ کی تمام دولت اُن کا حصہ ہے وہ چاہتے ہیں کہ جاپان کے تمام باشندے بلا استثنا ریاستہائے متحدہ سے واپس بھیج دیئے جائیں۔ ان کا خیال ہے کہ جاپانیوں کی مصیبت کو صرف اسی طرح ختم کیا جا سکتا ہے ہم نے ناظرین کی خدمت میں آبادی کے اعداد وشمار پیش کرکے بتایا ہے کہ بحرالکاہل کے تمام ممالک میں جاپان سب سے زیادہ گنجان آباد ہے اور جاپان کے لئے ممکن نہیں ہے کہ بڑھتی آبادی کو اپنے محدود جزیروں میں جگہ دے۔ اس لئے حکومت جاپان نو آبادیوں کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اس کے برعکس ریاستہائے متحدہ

جاپانیوں کی ایک مختصر سی جماعت کو جنھوں نے شہری حقوق حاصل کرلئے ہیں نہایت آسانی سے پناہ دے سکتا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ریاستہائے متحدہ کے باشندے فراخ دلی سے کام لیں اور ایشیائی اقلیت کو پناہ دینے کے لئے تیار ہو جائیں ۔ ریاستہائے متحدہ کے قوانین کی رو سے ایشیائی قومیں وہاں آباد نہیں ہوسکیں۔ صرف ایک محدود اقلیت کو جذب کرنے کا سوال رہ جاتا ہے جو بہت سہل ہے بشرطیکہ ریاستہائے متحدہ کے باشندے اور حکومت تنگ نظری اور نسلی امتیاز کے جذبات سے مغلوب نہ ہو جائیں ۔

جاپانیوں کو ریاستہائے متحدہ میں تعلیم اور پیشے حاصل کرنے میں مساوات حاصل نہیں ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ قابل اور حقدار جاپانی دفاتر اور کارخانوں میں ترقی سے محروم رکھے جاتے ہیں محض اس لیے کہ وہ زرد نسل سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ذہانت قابلیت اور عادات واطوار میں نسل کا سوال نہیں آتا۔ جاپانی ہر اعتبار سے سفید اقوام کے دوش بدوش کام کرتے ہیں بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہ ریاستہائے متحدہ کے باشندوں سے سبقت لے جاتے ہیں۔ جاپانیوں کی دوسری نسل نے بھی تعلیم میں بہت کامیابی حاصل کی ہے ۔ یہ لوگ اعلیٰ تعلیم کے لئے ہر طرح قابل اور مستحق ہیں لیکن یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد ملازمت حاصل کرنے کے امکانات نہیں ہیں۔ شہری حقوق حاصل ہونے کے باوجود حکومت نے یہ قیود جاپانیوں پر عائد کئے ہیں۔ ان حالات میں جاپانی بچے یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے ۔ جاپانی باشندوں نے اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے جاپانی زبان کے سکول قائم کئے ہیں۔ ان مدارس کی وجہ سے بچوں

اور ماں باپ کے طریق زندگی، بول چال اور عادات و اطوار میں ہم آہنگی قائم رہتی ہے۔ ورنہ بچوں کے آداب اور والدین کے طریقوں میں تصادم کا امکان تھا۔ ان مدرسوں کی بدولت کم سے کم ان باشندوں کی گھریلو زندگی خوشگوار رہے۔

جاپانی باشندوں پر ریاستہائے متحدہ میں قانونی قیود اور پابندیاں ہیں۔ ان کے علاوہ کئی قیود رسم و رواج کے ماتحت چلی آرہی ہیں جن کی قانون سے زیادہ پابندی کی جاتی ہے۔ یہ ممکن تھا کہ جاپانی باشندے اپنے رسم و رواج، زبان عادات و اطوار کو رفتہ رفتہ چھوڑ دیتے اور امریکہ کے طریقے استعمال کر کے وہاں کے باشندوں میں مدغم ہو جاتے۔ لیکن اس اقلیت کو برقرار رکھنے کی ذمہ داری تمام تر ریاستہائے متحدہ پر ہے۔ جاپانی ریاستہائے متحدہ کے باشندوں سے شادی نہیں کر سکتے، سوشل تعلقات نہیں بڑھا سکتے، زمین حاصل نہیں کر سکتے اور انھیں شہر کے خاص حصہ میں سکونت اختیار کرنی پڑتی ہے۔ ان حالات میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ چند ہزار جاپانیوں کو تلخ زندگی گذارنے پر ریاستہائے متحدہ مجبور کر رہا ہے۔ اور انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ مظلوم اقلیت کو اس عذاب سے بچایا جائے۔ ریاستہائے متحدہ کو ہرگز بھولنا نہیں چاہیے کہ یہ باشندے اپنے وطن کو خیرباد کہہ کر ریاستہائے متحدہ کی فلاح و بہبود کے لئے گئے تھے اور یہ کہ انھوں نے اپنی خدمات نہایت ایمانداری سے انجام دی ہیں۔ اگر ریاستہائے متحدہ کے باشندے بلند حوصلگی سے کام لیں تو پوری جاپانی آبادی کی زندگی مسرت اور شادمانی کی زندگی ہو سکتی ہے۔

ریاستہائے متحدہ کی طرح کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ میں ایسے قوانین موجود ہیں جن کی رو سے ایشیائی باشندے شہری حقوق حاصل نہیں کر سکتے۔ اِن ممالک میں بھی ایشیائی باشندوں کے خلاف وہی اعتراضات کئے جاتے ہیں جو ریاستہائے متحدہ میں عام ہو چکے ہیں۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ یہ تمام اعتراضات بے بنیاد اور لغو ہیں اور صرف نسلی امتیاز ان تمام قوانین میں کارفرما ہے۔

بحر الکاہل کے ممالک میں جنوبی امریکہ کے چند ممالک (بالخصوص برازیل) ایشیائی باشندوں کو خوش آمدید کہنے کے لئے تیار ہیں۔ فی الحال ان ممالک میں زراعتی ترقی ہو رہی ہے۔ اس وقت یہ کہنا مشکل ہے کہ آئندہ ان ممالک کا رویہ ایشیائی باشندوں کے ساتھ کیا ہوگا لیکن آثار سے پتہ چلتا ہے کہ جنوبی امریکہ میں نسلی امتیاز پیدا نہیں ہوگا۔ اور تمام شہریوں کو پورا پورا موقع دیا جائے گا کہ ملک کی فلاح و بہبود کے لئے حتی الامکان کوشش کریں۔

جزائر فلپائن ریاستہائے متحدہ کے مقبوضات ہیں اس لئے فلپائن کے باشندوں پر ریاستہائے متحدہ میں قیود نہیں ہیں اور وہ شہری حقوق حاصل کر سکتے ہیں۔ گذشتہ پچیس[۵] سال میں فلپائن کے باشندے کثرت سے ریاستہائے متحدہ میں آباد ہو گئے۔ ریاستہائے متحدہ کے باشندے انھیں ایشیائی نسلوں میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ نسلی امتیاز کیا جاتا ہے۔ فلپائن کے باشندوں کے خلاف بھی لغو اعتراضات کئے گئے۔ احتجاج کیا گیا اور بعض مقامات پر تشدد سے کام لیا گیا۔ یہ لوگ امریکہ کے مغربی ساحلی علاقہ پر آباد ہیں۔ فلپائن میں اس طرز عمل کے خلاف سخت جذبہ پھیل رہا ہے اور ریاستہائے متحدہ کی مذمت کی جا رہی ہے۔ ریاستہائے متحدہ

نے اعلان کیا ہے کہ جاپان کے جو باشندے امریکہ سے اپنے وطن کو واپس جانا چاہیں ان کے سفر کے اخراجات کے لئے حکومت ذمہ دار ہوگی۔

بحرالکاہل میں نقل وطن، نو آبادکاری اور نسلی امتیاز نے پیچیدہ مسائل پیدا کر دیئے ہیں، جاپان اور چین کی آبادی بڑھ رہی ہے اور ان کے پاس جگہ اور اشیائے خام اور ضروریات زندگی کی کمی ہے۔ دوسری طرف آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور امریکہ میں وسیع قطعات ارض خالی پڑے ہیں۔ سفید اقوام نے ان ممالک پر قبضہ کر کے انہیں اپنے لئے مقرر اور محفوظ کر لیا ہے۔ قوانین کے ذریعہ ایشیائی قوموں کی آمد کو روک رہے ہیں اور جو ایشیائی باشندے شہری حقوق حاصل کر چکے ہیں ان کی اور ان کی اولاد کی زندگی قیود اور پابندیوں سے تلخ کر رہے ہیں۔ جس طرح یورپ سے سفید اقوام نے اشکر بحرالکاہل کے ممالک میں پناہ لی اسی طرح ایشیا کی بڑھتی ہوئی آبادی اپنے لئے مسکن تلاش کرے گی لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور شمالی امریکہ کی حکومتیں اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ لیں اور نسلی امتیاز کو خیرباد کہہ کر ایشیائی باشندوں کے دوش بدوش رہنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس طرح ان تمام ممالک کی خوش حالی اور فارغ البالی میں ترقی ہوگی اور ایشیا کے ممالک کے ایک مشکل مسئلہ کا حل بھی مل جائے گا۔

۱۰- بحرالکاہل میں ہوائی راستے

موجودہ زمانہ میں ہوائی جہازوں کی اہمیت تجارتی آمدورفت اور جنگ میں اس قدر بڑھ گئی ہے کہ یہ مقالہ نامکمل رہے گا۔ اگر ہم بحرالکاہل میں ہوائی راستوں کا ذکر نہ کریں۔ فی الحال بحرالکاہل میں ہوائی آمدورفت ابتدائی مراحل میں ہے لیکن راستوں کو اس طرح مقرر کیا جا رہا ہے کہ دوران جنگ میں استعمال کئے جا سکیں۔

بحرالکاہل میں ہوائی راستوں کی ترقی بہت آہستہ آہستہ ہو رہی ہے اس کے خلاف بحراوقیانوس میں ہوائی راستوں کی ترقی بہت سرعت سے ہوئی۔ بحراوقیانوس پر ہوائی پرواز کے لئے انعامات مقرر کئے گئے لیکن بحرالکاہل کو عبور کرنے کے لئے کسی نے ہمت افزائی نہیں کی۔ اس کی وجوہات یہ ہیں کہ بحرالکاہل کی دس ہزار میل کی وسعت کو عبور کرنا نہایت دشوار کام ہے اور ریاستہائے متحدہ، جاپان چین اور برطانیہ نے باقاعدہ ہوائی آمدورفت کے لئے متحدہ کوشش نہیں کی یہی وجہ ہے کہ بحرالکاہل میں ہوائی آمدورفت اس وقت بھی تجرباتی دور میں ہے۔

ریاستہائے متحدہ اور چین کی حکومتوں نے کوششیں کیں کہ بحرالکاہل کے مشرقی اور مغربی علاقوں کے درمیان ہوائی آمدورفت کا سلسلہ قائم ہو جائے چنانچہ یہ کوششیں جاری ہیں۔ موجودہ جنگ چین و جاپان کی وجہ سے یہ سلسلہ کچھ وقفہ کے لئے رک گیا ہے۔ بحرالکاہل کے ہوائی راستوں میں ریاستہائے متحدہ

کی دلچسپی زیادہ تر حربی مقاصد کے ماتحت ہے، ریاستہائے متحدہ چاہتا ہے کہ
بحرالکاہل میں اپنی بحری قوت برقرار رکھے اور چین میں توازن قوت (ba-
lance of power) بھی قائم رہے۔ نومبر ۱۹۳۴ء میں حکومت چین نے
ریاستہائے متحدہ سے ہوائی آمدورفت کے قیام کے سلسلہ میں ایک معاہدہ کیا۔ اس کی
رو سے ریاستہائے متحدہ ہوائی جہاز، مشینیں اور ہوا باز مہیا کرے گا، حکومت چین
ضروری اخراجات ادا کرے گی اور ہوائی اسٹیشنوں کا انتظام کرے گی۔ اس
باقاعدہ آمدورفت کے قیام کے لئے ریاستہائے متحدہ کی مشہور کمپنیوں کی خدمات
حاصل کی گئی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس صنعت کے ابتدائی دور اور
بحرالکاہل کی وسعت کے مدنظر، ریاستہائے متحدہ اور چین کے درمیان ہوائی
جہازوں کی باقاعدہ آمدورفت بہت بڑا کارنامہ ہوگی۔ بحراوقیانوس کو عبور
کرنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ بحرالکاہل کو طے کرنا ہے۔ کیونکہ بحراوقیانوس کے
شمالی حصہ کی معرفت یورپ اور امریکہ کا فاصلہ صرف ۲۰۰۰ بحری میل ہے۔
چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ بحراوقیانوس کو بغیر قیام کے عبور کیا جارہا ہے۔ ریاستہائے
متحدہ اور چین کے درمیان آمدورفت میں ایک دقت یہ ہے کہ راستہ میں قیام
پٹرول اور اشیائے ضروری حاصل کرنے کے لئے کون سے اسٹیشن منتخب
کئے جائیں۔

بحرالکاہل پر مناسب ہوائی راستوں کے سلسلہ میں ریاستہائے متحدہ نے
زبردست جدوجہد کی۔ جنگ عظیم کے بعد ریاستہائے متحدہ نے بحیرۂ منجمد شمالی
کے راستوں کا جائزہ لیا جو شمالی امریکہ کو یورپ اور ایشیا سے ملاتے ہیں۔ یہ

راستے بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل کے شمالی علاقوں سے گزرتے ہیں۔ اس تجربہ سے ظاہر ہوا کہ ایشیا اور شمالی امریکہ کے درمیان جزائر الوشین سے گذرنے والا راستہ آب و ہوا کی خرابی کی وجہ سے ہوائی جہازوں کے لئے غیر محفوظ ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ بحر الکاہل میں بیک وقت ۰۰۰ ۸ میل سے زیادہ سفر کرنا بہت مشکل ہے۔ ان وجوہات کی بنا پر بحیرۂ منجمد شمالی سے گزرنے والے راستہ کا خیال ترک کرنا پڑا۔

جزائر ہوائی اور بندرگاہ ہانولولو کے محل وقوع کی اہمیت کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ہوائی آمدورفت میں بھی ہانولولو کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ بحر الکاہل کو ہوائی جہاز کے ذریعہ عبور کرنے میں سب سے پہلے ریاستہائے متحدہ سے ہانولولو پہنچنا ضروری ہے۔ یہ قابل ذکر واقعہ ہے کہ سب سے پہلے ۱۹۲۵ء میں ایک اڑنے والی کشتی (Flying boat) کے ذریعہ سان فرانسسکو سے ہانولولو پہنچنے کی ناکام کوشش کی گئی اس کے بعد جون ۱۹۲۷ء میں ایک ہوائی جہاز میں سان فرانسسکو سے ہانولولو تک سفر کیا گیا اس کے بعد چند اور جہازوں نے بھی سفر کیا لیکن واپسی میں ہانولولو سے سان فرانسسکو تک سفر نہیں کیا جا سکا کیونکہ ہواؤں کا رخ مخالف سمت میں رہتا ہے۔ ان ناکامیوں کی وجہ سے چین اور ریاستہائے متحدہ کے درمیان ہوائی آمدورفت کا اجراء نہیں ہو سکا۔ ۱۹۰۹ء میں ڈاکٹر اکنر (Doctor Eckener) نے گراف زیپلن میں دنیا کے اطراف سفر کیا اور سب سے پہلے ٹوکیو سے لاس انجلس تک بغیر قیام کے سفر کیا۔ بحر الکاہل کو ہوائی جہاز میں بغیر قیام کے عبور کرنے کی یہ سب سے

پہلی کوشش تھی جو کامیاب ہوئی۔ بحرالکاہل کے شمالی علاقہ سے گذرنے والے تمام ہوائی راستوں میں جزائر ہوائی پر قیام کرنا نہایت ضروری ہے۔ ہانولولو اور سان فرانسسکو کے درمیان فاصلہ ۲۴۰۰ بحری میل ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ہوائی آمدورفت میں جزائر ہوائی کی اہمیت غالباً دنیا کے تمام جزیروں سے زیادہ ہے۔

سان فرانسسکو اور زنگھائی (یاکینٹن) کے درمیان براہ ہانولولو تقریباً ۷ ہزار بحری میل کا فاصلہ ہے۔ ہوائی راستوں کے انتخاب میں جغرافیائی ضروریات کے علاوہ حربی اہمیت کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً جغرافیائی اعتبار سے دو راستے مناسب ہیں ہانولولو اور ریاپ ہوتے ہوئے یا ہانولولو اور گوام کی معرفت چین؛ یہ جزیرے ریاستہائے متحدہ کے مقبوضات ہیں اور انھیں قیام کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان راستوں میں چند ایسے جزیروں سے گزرنا پڑتا ہے جو جاپان کی ملکیت ہیں۔ اس لئے حربی لحاظ سے محفوظ نہیں ہیں۔ اگر جنوبی بحرالکاہل کا راستہ اختیار کیا گیا تو اور سیاسی اعتراضات اور فنی مشکلات پیش آئیں گی۔ مزید برآں یہ راستہ بہت طویل ہو جائے گا اور مسافروں کے لئے تکلیف دہ ثابت ہوگا۔

بحرالکاہل کے اطراف کے ممالک مثلاً جاپان، مانچوکو اور روس اور یورپین مقبوضات (مثلاً آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور ولندیزی جزائر شرق الہند) میں بھی ہوائی آمدورفت سرعت سے بڑھ رہی ہے۔ ابتدائی دور میں تجارتی اور اقتصادی مقاصد کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ لیکن ہوائی راستوں

کی تشکیل اسی طرح کی جاتی ہے کہ جنگ کے موقعہ پر ہوائی جہازوں سے پورا فائدہ اٹھایا جا سکے۔

اس طرح بحرالکاہل اور اطراف کے ممالک کے ہوائی راستوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :۔

(۱) بحرالکاہل کو عبور کرنے کے لئے (ان ہوائی راستوں کا ذکر کیا جا چکا ہے)

(۲) سائبریا جاپان اور مانچوریا کے راستے یا شمالی ایشیا کے راستے۔

(۳) وسطی چین کے راستے۔

(۴) جنوب مشرقی ایشیا کے ہوائی راستے جن کی دو شاخیں ہیں :۔

(i) برطانوی۔ جنوب مشرق کی جانب

(ii) ولندیزی۔ شمال مشرق کی جانب

سائبریا جاپان اور مانچوریا کے ہوائی راستے :۔ مانچوریا میں جاپان کی سرپرستی میں ہر شعبہ میں ترقی ہو رہی ہے۔ چنانچہ ہوائی آمدورفت کو بھی ترقی دی جا رہی ہے۔ مانچوریا میں آمدورفت کا مسئلہ بہت مشکل ہے۔ رقبہ کے تناسب سے مانچوریا میں ریلیں بہت کم ہیں لیکن چین کی نسبت زیادہ ہیں۔ سڑکوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہوائی آمدورفت قریب قریب ریلوے کے متوازی قائم کی جا رہی ہے۔ مانچوریا کے ہوائی راستے تجارتی آمدورفت میں روس کے ہوائی راستوں سے ملحق ہو کر سائبریا کے وسیع علاقہ کو عبور کرنے میں مفید ثابت ہوں گے۔ اسی طرح جاپان کے ہوائی راستوں سے مانچوریا تک پہنچ سکتے ہیں۔ جزیرہ نما کوریا بھی ہوائی راستوں کے ذریعہ جاپان اور مانچوریا

سے مل گیا ہے۔ ان ہوائی راستوں کی تجارتی اور حربی اہمیت جاپان کے لئے
بہت زیادہ ہے۔ جزائر جاپان میں ہوائی راستے شمالاً جنوباً مقرر کئے گئے ہیں
اور کوریا اور فارموسا کو بھی جاپان سے ملاتے ہیں۔ روس میں بھی ہوائی راستے
سرعت سے قائم کئے جا رہے ہیں۔ ماسکو سے ولاڈی واسٹک تک ہوائی جہاز
ہے۔ ۸۰۰۰ میل کا فاصلہ ہے اس طرح یورپین اور ایشیائی روس ہوائی آمد و
رفت کی وجہ سے متصل ہو رہے ہیں۔ یہ راستہ ٹرانس سائبیریا ریلوے
کے قریب قریب متوازی ہے اور ریل کی بنسبت سفر بہت آرام اور آسانی
سے ہوتا ہے۔ اس لئے آمد و رفت میں ہوائی جہازوں سے بہت فائدہ
اٹھایا جا رہا ہے۔ سائبیریا کے غیر آباد اور دشوار گذار علاقوں میں اس
مخصوص ہوائی راستے سے شاخیں نکالی جا رہی ہیں۔ اس طرح تمام روس
میں ہوائی آمد و رفت کو عام کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

(۳) وسطی چین کے ہوائی راستے:۔ غالباً بحر الکاہل کے کسی اور ملک کو
اندرونی علاقہ سے آمد و رفت میں آسانی پیدا کرنے کے لئے ہوائی راستوں کی
اتنی اہمیت نہیں ہے جتنی چین کو کیونکہ مغربی چین کا وہ علاقہ جو ساحل سمندر
سے دور دراز فاصلہ پر ہے آمد و رفت کے لحاظ سے دور افتادہ ہے اور
موجودہ راستے دشوار گذار پہاڑوں سے گذرتے ہیں۔ سنہ ۱۹۲۴ء کے بعد سے
چینی حکومت ہر ممکن کوشش کر رہی ہے کہ چین میں ہوائی آمد و رفت زیادہ
سے زیادہ عام ہو جائے۔ چین کے حدود بہت وسیع ہیں اور اندرونی
چین کا بیشتر حصہ ساحلی علاقوں اور بندرگاہوں سے ریلوں کے ذریعہ ملا

ہوا نہیں ہے۔ حکومت چین کے لئے موجودہ حالات میں (موجودہ جنگ چین و جاپان سے قطع نظر) ممکن نہیں ہے کہ ملک میں ریلوں کا جال پھیلائے۔ چین میں آمدورفت کا ایک اور قدیم اور ارزاں طریقہ دریاؤں کے ذریعہ ہے لیکن طغیانی اور بارش کی وجہ سے کشتیوں میں سال بھر آمدورفت نہیں ہوسکتی۔ حربی نقطۂ نظر سے بھی چین کے لئے ہوائی جہازوں کی اہمیت مسلمہ ہے بالخصوص اس لئے کہ چین کی بحری قوت بہت کم ہے۔ ہوائی آمدورفت کی بتدریج ترقی کی وجہ سے چین کے دور افتادہ علاقے بندرگاہوں سے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں؛ اور تجارت اور آمدورفت کے لئے بحرالکاہل سے ملتے جا رہے ہیں۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ چین کے اندرونی وسیع اضلاع سے پوری طرح آمدوبرآمد صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ ریلیں اور نہریں شرقاً غرباً تعمیر کی جائیں تاکہ بندرگاہوں سے آمدورفت ہو سکے۔ چین کی تمام تجارت مشرقی ساحل کے ایک مخصوص حصہ تک محدود ہے۔ شمالی اضلاع کی آمدورفت کا رخ بھی بندرگاہوں کے محل وقوع کی وجہ سے جنوب مشرقی ہے۔ چین کی حکومت انتہائی کوشش کر رہی ہے کہ چین کے طول و عرض میں ہوائی راستے قائم ہو جائیں تاکہ ان علاقوں سے آمدورفت میں آسانی ہو جائے جو ساحل سمندر سے بہت دور واقع ہیں۔

یہ کہنا ضروری ہے کہ موجودہ جنگ چین و جاپان کی وجہ سے حکومت چین کے لائحہ عمل میں غیر معمولی رکاوٹیں پیش آ رہی ہیں۔ اور تمام کاروبار بند ہو چکا ہے کیونکہ چین کے لئے ضروری ہے کہ تمامتر توجہ اپنی مدافعت پر صرف کرے۔

بحیثیت مجموعی اگر ہم دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ چین، جاپان، انچوریا،

کو ریا اور روس میں ہوائی آمدورفت سے شمالی مغربی بحرالکاہل میں ہوائی راستوں کا ایک جال قائم ہو رہا ہے جس کا تعلق براعظم ایشیا کے شمالی مغربی ساحل سے ہے۔ لیکن ان ممالک کی آپس کی مخالفت کی وجہ سے ایشیا اس اہم ذریعہ آمدورفت کی برکات سے محروم ہے۔

۴۔ جنوب مشرقی ایشیا کے ہوائی راستے:۔ ہالینڈ نے مجمع الجزائر شرق الہند میں اپنے مقبوضات سے تعلقات وسیع کرنے کے لئے ہالینڈ اور مجمع الجزائر شرق الہند کے درمیان باقاعدہ ہوائی آمدورفت شروع کی ہے جس کا افتتاح ۱۹۲۹ء میں ہوا۔ یہ سروس کے۔ ال۔ ام لائن (European Dutch Indian Trans Continental Air Service) کے نام سے مشہور ہے اور یورپ اور ہندوستان سے گزر کر بٹیویا پہنچتی ہے۔ مجمع الجزائر شرق الہند میں ہوائی آمدورفت زیادہ ضروری نہیں ہے کیونکہ حسب ضرورت ریلیں موجود ہیں۔ لیکن بیرونی ممالک گہرے تعلقات کی بناء پر ہوائی آمدورفت نہایت اہم ہے۔

آسٹریلیا کے لئے اندرونی علاقوں میں ہوائی آمدورفت نہایت ضروری ہے کیونکہ یہ دشوار گذار ہیں۔ مغربی آسٹریلیا میں ہوائی جہازوں کی باقاعدہ آمدورفت شروع ہو گئی ہے۔ جزیرہ تسمانیہ اور نیوزی لینڈ کے درمیان بھی ہوائی آمدورفت کا آغاز ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ جزائر برطانیہ اور آسٹریلیا کے درمیان براہ یورپ و ہندوستان باقاعدہ ہوائی آمدورفت جاری ہے۔ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی مدافعت کے لئے بھی ہوائی قوت میں ترقی نہایت

ضروری ہے۔ ہم آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے ماتحت ہوائی قوت میں ترقی کا ذکر کر چکے ہیں۔

اس طرح ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ بحرالکاہل میں کسی ایک قوت کا ہوائی آمد و رفت پر پوری طرح حاوی ہونا نہایت دشوار ہے۔ ہوائی جہاز ساحلی علاقوں اور جزائر کی مدافعت کے لئے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن بحری قوت میں اضافہ کرنا نہ صرف حربی ضروریات کے ماتحت لازمی ہے۔ بلکہ تجارتی اغراض و مقاصد کے بھی عین موافق ہے۔

۱۱۔ بحر الکاہل میں جنگ کے امکانات

گزشتہ ابواب کے مطالعہ سے ظاہر ہوگا کہ بحر الکاہل میں جنگ کے امکانات روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔ ایک طرف جاپان اور روس میں ازلی دشمنی ہے۔ دوسری طرف جاپان، برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ کے مفاد میں تصادم کا احتمال بڑھ رہا ہے۔ فی الحال جاپان اور چین کی جنگ جاری ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ اس جنگ کے نتائج کیا شکل اختیار کریں گے لیکن یہ جنگ خشکی تک محدود ہے۔ چین کی بحری قوت جاپان کے مقابلہ میں صفر کے برابر ہے۔ جاپان اپنی بحری قوت کی مدد سے چین کی پوری تجارت اور سامان حرب کی درآمد کو منقطع کر کے چین کو زبردست نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اگر جاپان اس کوشش میں پوری طرح کامیاب ہو گیا تو چین کی شکست یقینی ہے اور تمام بیرونی مفاد خطرے میں پڑ جائیں گے اس لئے برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ کبھی گوارا نہیں کریں گے کہ چین پر جاپان پوری طرح حاوی ہو جائے۔

اپنی پوری کوشش کے باوجود روس، بحر الکاہل میں کسی قسم کا اقتدار حاصل نہ کر سکا اور جاپان کے مقابلہ میں اسے ہمیشہ ناکامیابی ہوئی۔ بحری قوت کے اعتبار سے جاپان کے مقابلہ میں روس بہت نیچے درجہ پر ہے۔ روس کی صرف ایک اچھی بندرگاہ ولیڈی واسٹک ہے جہاں اس کا بحری بیڑا متعین ہے۔ لیکن یہ اس کی تجارتی اور حربی ضروریات کے لئے ناکافی ہے۔ اس

لئے اسے جاپان کے مقابلہ میں اپنی ہوائی اور بری قوت پر اعتماد کرنا پڑے گا
جاپان کا منچوریا پر قبضہ ہونے کے بعد جاپان اور روس کی سرحد خشکی میں انچوریا
کے حدود پر ملتی ہے۔ اس طرح جزائر جاپان (خاص) روس کے حملوں سے
بڑی حد تک محفوظ ہو گئے ہیں۔ نقشہ نمبر ۱۵ کے دیکھنے سے .... ظاہر
ہوتا ہے کہ روس اور جاپان کی جنگ میں فوجی نقل وحرکت کیا شکل اختیار
کرے گی۔ جاپان اپنی بحری قوت کی مدد سے بحرالکاہل میں روس کی تجارت اور
آمدورفت آسانی سے مسدود کردے گا اس لئے روس کو سامان رسد اور آلات
حرب کی فراہمی کے مرکز اندرون ملک میں قائم کرنے پڑیں گے۔ آج کی طرح
آئندہ بھی ولیڈی واسٹک روس کے بحری اور ہوائی بیڑے کا مستقر رہیگا اور
سامان جنگ خشکی کے راستے فراہم کیا جائے گا۔ ولیڈی واسٹک کا محل وقوع
اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ یہاں سے جاپان پر آسانی سے ہوائی حملہ کیا جا سکتا
ہے اور روس کی کامیابی کا امکان ہوائی حملہ پر منحصر ہے۔ جاپان کی بڑی کمزوری
ہے کہ وہاں کے اکثر مکانات لکڑی اور کاغذ کے بنے ہوئے ہیں۔ جن کو ہوائی
بمباری سے شدید نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ ہرچند جاپان ہوائی حملوں
سے مدافعت کی تیاری کر رہا ہے لیکن موجودہ لڑائیوں کے نتائج سے معلوم
ہوتا ہے کہ ہوائی بمباری کی تباہ کاریوں سے بچنے کی کوئی صورت نہیں ہے
اس کے خلاف ہوائی حملے سے روس کو اس قدر شدید نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا
سائبریا کے وسیع علاقہ میں آبادی بہت کم ہے۔ جاپان خاص کی مربع میل
آبادی کا اوسط روس کی نسبت پچیس گناہ زیادہ ہے۔ اس لئے روس کے

ہوائی جہاز جاپان کو جانی اور مالی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ روس کے متعلق
ایک برطانوی ماہر جنگ نے کہا ہے: "یہ ممکن ہے کہ روس کسی ملک کو شکست
نہ دے سکے لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ روس کو کوئی قوت زیر نہیں کر سکتی"۔ یہ
رائے جاپان اور روس کے بارے میں صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اگر روس
کامیاب نہ ہو سکا تو اس کا ملکی یا اقتصادی نقصان کم ہوگا۔ لیکن جاپان
کی شکست سے روس کو مشرق بعید اور بحرالکاہل میں زبردست قوت
حاصل ہو جائے گی۔

بحرالکاہل اس قدر وسیع سمندر ہے کہ اس پر کوئی ایک حکومت پوری
طرح حاوی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے مغربی حصہ پر جاپان
کا اقتدار ہے۔ جنوب میں برطانیہ کی قوت مسلم ہے اور مشرق کی طرف ریاستہائے
متحدہ کا تسلط ہے۔ بحری جنگ میں جنگی جہازوں کے بیڑے مستقر سے زیادہ
دور نہیں بھیجے جا سکتے کیونکہ سامانِ رسد کوئلہ اور تیل مہیا کرنے کے لئے ان
کا مستقر پر واپس آنا ضروری ہے۔ اگر کوئلہ اور سامان رسد کے لئے کھلے
سمندر میں اسٹیشن ہوں تو مستقر کو واپس ہونا ضروری نہیں۔ گزشتہ جنگ
کے تجربہ سے یہ واضح ہو چکا ہے کہ بحری بیڑا تقریباً ۹۶ گھنٹے (چار دن) مستقر
سے باہر رہ سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک بحری بیڑا زیادہ سے زیادہ
دو دن کی مسافت پر بھیجا جا سکتا ہے تاکہ چوتھے دن اپنے مستقر پر واپس
آ سکے۔ بڑے جنگی جہازوں (Cruisers) کے لئے چار دن میں اپنے مستقر پر
واپس آنا ضروری نہیں۔ کیونکہ ان میں سامان رسد کی کافی مقدار

رکھی جا سکتی ہے۔ لیکن بحری بیڑے کے ساتھ نگرانی کرنے والے چھوٹے چھوٹے
جہاز ہوتے ہیں جن میں سامان رسد کی زیادہ مقدار نہیں رکھی جا سکتی۔ ہم
ذکر کر چکے ہیں کہ بحر الکاہل میں بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں۔ اس میں
کوئی شک نہیں کہ یہ جزیرے اس قدر چھوٹے ہیں کہ بڑے جہاز لنگر انداز
نہیں ہو سکتے۔ لیکن جنگی بیڑے کو سامان رسد کوئلہ اور تیل مہیا کرنے کے
لئے [illegible] کی طرح استعمال کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً گزشتہ جنگ
عظیم میں جزیرہ ابردلی ہوس ([illegible] Hoo) کو
جو برازیل کے ساحل کے قریب بحر اوقیانوس میں ایک گم نام جزیرہ تھا۔
بہت اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔ کھلے ہوئے وسیع سمندر میں چھوٹے چھوٹے
جزیروں کی اہمیت واضح کرنے کے بعد ہم صلحنامہ وسائی کی ان دفعات کو
اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ جن کا تعلق بحر الکاہل کے دور افتادہ گمنام
جزیروں سے ہے۔ ہم دیکھیں گے کہ ہوائی جنگ اور ہوائی راستوں کے
لئے بھی یہ جزیرے بہت اہم ہیں۔ اس صلحنامہ کی رو سے بحر الکاہل کے وہ تمام
جزائر جو جنگ سے پہلے جرمنی کے قبضہ میں تھے اس طرح تقسیم کئے گئے کہ خط استوار
کے شمال کے جزیرے جاپان کو اور خط استوا کے جنوب کے جزیرے برطانیہ کو
دیئے گئے۔ سنہ ۱۹۱۹ء کے بعد سے جاپان کو ان میں اکثر جزائر پر انتدابی حکومت
(Mandate) حاصل ہے۔ حربی اہمیت کے اعتبار سے
جاپان کے لئے جزائر پیلیو (Pelelui) کیروینس
(Carolines) ماریانا س (Marianas)

اور جزائر مارشل (Marshall) قابل ذکر ہیں۔ ان کے
علاوہ ۳۱ مارچ ۱۹۲۹ء کو جاپان نے اعلان کیا کہ جزائر سپراٹلی (Spratly)
جاپانی مقبوضات ہیں۔ جزائر پی لیو، فلپائن سے پانچ سو میل شرق کی جانب
واقع ہیں۔ مجمع الجزائر میری ناس کا ایک جزیرہ گوام (Guam)
ریاستہائے متحدہ کی ملکیت ہے۔ جزائر مارشل کا محل وقوع بھی جاپان کے لئے
بہت اہم ہے کیونکہ یہ جزیرہ جزائر ہوائی سے جنوب مغرب میں واقع ہے
جزائر سپراٹلے چین کے جنوب مشرق میں تقریباً چار سو میل کے فاصلے پر ہیں۔
یہ مونگے کے چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں جو بحیرۂ چین کے جنوبی حصہ میں واقع
ہیں اور اقتصادی لحاظ سے غیر اہم ہیں۔ اس لئے کسی بڑی حکومت نے ان
پر قبضہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ چند سال قبل حکومت فرانس نے فرانسیسی
ہند چین کے ساحل کی حفاظت کے لئے ان جزیروں کو اہم سمجھا کیونکہ یہ
بندرگاہ سیگان (Saigon) سے بہت قریب ہیں۔ چنانچہ
۱۹۳۳ء میں فرانس نے ان جزائر پر اپنے اقتدار کا اعلان کیا تھا لیکن ان
کو مستحکم نہیں کیا گیا۔ اس کمزوری سے جاپان نے فائدہ اٹھایا اور فرانس کی
حکومت لفظی احتجاج کے علاوہ کچھ نہیں کر سکی۔ اس طرح جاپان بحرالکاہل
میں جنوب کی جانب بڑھ رہا ہے۔ ان جزائر کا مجموعی رقبہ ۲ سو ایکڑ ہے اور سطح سمندر
سے زیادہ اونچے بھی نہیں۔ دوران جنگ میں یہ جزیرے بحری اور ہوائی جہازوں
کے مستقر کی طرح استعمال کئے جائیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہانگ کانگ،
منیلا اور ریتیان سے یہ جزیرے بہت دور جنوب کی طرف واقع ہیں لیکن سنگاپور

برطانوی بورنیو اور رو لنڈرزی مقبوضات سے بہت قریب ہیں اور ہوائی جہاز چند گھنٹوں میں تیاری کرکے واپس آ سکتے ہیں اس کے علاوہ ان جزیروں کو آبدوز کشتیوں کے مستقر اور سامان رسد کوئلہ اور پٹرول کی فراہمی کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ان جزائر کی اہمیت برطانیہ اور فرانس کے لئے بھی بہت زیادہ ہے۔ لیکن جاپان کے اس غیر ذمہ دارانہ طریقہ سے قابض ہو جانے کے باوجود وہ کچھ نہ کر سکے۔ جاپان بتدریج بحرالکاہل کے ایشیائی ساحل پر شمال سے جنوب تک اپنی بحری قوت کو مستحکم کر رہا ہے۔ مثلاً ہینان کی بندرگاہ (چین) پر قبضہ کرنے کے بعد جنوب میں تقریباً سات سو میل دور جزائر سپر اٹلے پر بھی قابض ہو چکا ہے۔

بحرالکاہل کے اور جزائر کی اہمیت بھی جزائر سپر اٹلے کی طرح ہے۔

اس لئے جاپان کے انتداب کی ایک نہایت اہم شرط یہ ہے کہ ان جزائر کی قلعہ بندی نہ کی جائے اس کے علاوہ صلحنامہ ورسائی کے بعد جو صورت حال بحرالکاہل میں پیدا ہوئی اس کو ایک حد تک عہدنامہ واشنگٹن کی دفعات کی رو سے تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس صلحنامہ کے مطابق جیسا کہ ہم بالتفصیل ذکر کر چکے ہیں۔ برطانیہ۔ ریاستہائے متحدہ اور جاپان نے بحری قلعوں کو برقرار رکھنا منظور کیا لیکن ان میں مزید اضافے کی اجازت نہیں دی گئی۔ مثلاً فلپائن۔ گوام اور الوشین میں ریاستہائے متحدہ جزائر بانن (Bonin) اور فارموسا میں جاپان اور ہانگ کانگ میں برطانیہ اس صلحنامہ کی رو سے اپنی بحری قوتوں میں اضافہ نہیں کر سکتے۔ لیکن جزائر ہوائی پر اس شرط کا اطلاق نہیں ہوتا۔ امریکہ کے مغربی ساحل، الاسکا اور ساموا (Samoa)

کی حفاظت کے لئے جزائر ہوائی کا بحری استحکام ضروری ہے۔
سنگاپور: صلحنامہ واشنگٹن اس علاقہ سے متعلق ہے جو ۱۱۰ درجہ طول البلد (مشرقی) کے مشرق میں واقع ہے۔ سنگاپور اس علاقہ سے باہر واقع ہے اس لئے صلحنامہ واشنگٹن کی شرائط سنگاپور کے استحکام میں حائل نہیں ہوئیں۔ سب سے پہلے سنگاپور ۱۸۱۹ء میں فوجی بندرگاہ کی طرح استعمال کیا گیا اور ایک عرصہ تک برطانوی بیڑہ متعینہ چین کے لئے جنوبی مستقر (Southern base) تھا۔ سنگاپور کا بحری بیڑہ بحر ہند اور مشرق بعید (بحر الکاہل مشرقی) میں برطانوی مفاد کی حفاظت کر سکتا ہے۔ لیکن سنگاپور کو مستحکم کرنے میں برطانیہ کو بیرونی مخالفت اور احتجاج کا سامنا کرنا پڑا۔ سنگاپور کا موجودہ قلعہ اور بندرگاہ (Dock yard) دنیا میں اہم ترین اور نہایت زبردست ہیں ان کی تعمیر ۱۹۲۳ء - ۱۹۲۵ء میں شروع کی گئی تھی۔ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی حفاظت کے لئے سنگاپور وہی اہمیت رکھتا ہے جو ہوائی امریکہ کے لئے۔ اگر جاپان آئندہ جنگ میں برطانوی مقبوضات (بالخصوص آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ) پر حملہ کرے تو سنگاپور سے مدافعت میں بہت امداد پہنچائی جا سکتی ہے۔

صلحنامہ واشنگٹن کے بعد بحر الکاہل میں جنگی جہازات (Battle ships) کی تعمیر میں کمی ہوئی لیکن کروزرس (Cruisers) کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جاپان نے ایک بڑی تعداد ان جہازوں (کروزرس) کی تیار کر لی ہے۔ کروزر قسم کے جنگی جہازوں کی اہمیت مختلف اقوام کے لئے یکساں نہیں ہے۔ برطانیہ کو چھوٹے قسم کے جنگی جہازوں (Cruisers) کی ضرورت

ہے کیونکہ برطانیہ کا مفاد بحیرۂ روم، بحیرۂ شمالی اور دوسرے چھوٹے سمندروں
میں بھی ہے۔ لیکن ریاستہائے متحدہ کو اپنا بیڑا بحرالکاہل اور بحراوقیانوس (دنیا کے
دو سب سے بڑے سمندروں) میں قائم رکھنا ہے۔ بحرالکاہل میں (جس کی وسعت
دس ہزار میل ہے اور بحیرۂ منجمد شمالی سے بحیرۂ منجمد جنوبی تک پھیلا ہوا ہے) ریاستہا
متحدہ بڑے کروزر جہازوں (جن کا وزن دس ہزار ٹن یا اس سے زیادہ ہو)
کا بیڑہ رکھنا چاہتا ہے۔ نہر پناما کی وجہ سے ریاستہائے متحدہ کے لئے آسانی پیدا
ہوگئی ہے کیونکہ وہ بحراوقیانوس اور بحرالکاہل کے بیڑوں کو آسانی سے متحد کر سکتا
ہے اس لئے دونوں سمندروں میں علیحدہ علیحدہ زبردست بیڑوں کا قائم کرنا ضروری
نہیں ہے۔ ریاستہائے متحدہ نے اپنی بیشتر توجہ بحرالکاہل کے بیڑہ کو مستحکم کرنے
میں صرف کی ہے۔

نہر پناما:۔ خاکنائے پناما کو کاٹ کر (۱۸۸۱ء میں) نہر پناما تعمیر کرنے کی کوشش
کی گئی۔ ایک فرانسیسی کمپنی کو ٹھیکہ دیا گیا تھا لیکن تب دبوا کے شدائد، درچند
درچند دشواریوں کی وجہ سے اس وقت کام بند کرنا پڑا کچھ عرصہ بعد ریاستہائے
متحدہ نے یہ اہم کام اپنے ذمہ لیا اور بالآخر ۱۹۱۴ء میں نہر پناما کی تعمیر مکمل
ہوئی۔ یہ نہر تقریباً ۴۰ میل لمبی اور ایک میل چوڑی ہے اور بڑے تجارتی
اور جنگی جہاز گزر سکتے ہیں۔ اس نہر کے کھل جانے کی وجہ سے نہ صرف شمالی
اور جنوبی امریکہ کی بندرگاہیں ایک دوسرے سے وابستہ اور قریب تر ہوگئی
ہیں بلکہ بحرالکاہل کی تمام بندرگاہیں یورپ سے بہت قریب ہوگئی ہیں مثلاً
نہر پناما کی وجہ سے لیورپول اور سان فرانسسکو کے درمیان چھ ہزار میل

کی بچت ہو گئی ہے۔ مغربی اور مشرقی دنیا کے درمیان تجارتی رابطہ آسان ہو گیا ہے۔ نہر پناما کے ذریعہ نیویارک سے ہانگ کانگ کا فاصلہ اتنا ہی ہے جتنا کہ لندن سے ہانگ کانگ تک (براہ نہر سویز) ہے۔ اسی طرح نیویارک اور ٹوکیو بھی ایک دوسرے سے بہت قریب ہو گئے ہیں۔ نہر پناما نہ صرف تجارتی لحاظ سے اہم ہے بلکہ حربی نقطۂ نظر سے بھی غالباً دنیا کی اہم ترین شاہراہوں میں سے ایک ہے۔ اسی راستہ سے ریاستہائے متحدہ اپنے مشرقی اور مغربی بحری بیڑوں کو نہایت آسانی اور سرعت کے ساتھ ایک دوسرے سے منسلک کر کے دنیا کی بڑی سے بڑی بحری قوت کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اگر اس نہر کی تعمیر مکمل نہ ہوتی تو ریاستہائے متحدہ کو مشرقی اور مغربی ساحل کی حفاظت کے لئے علیحدہ علیحدہ دو زبردست بحری بیڑے رکھنے پڑتے۔

جاپان اور ریاستہائے متحدہ کی بحری قوتوں کا امتحان باقی ہے۔ ریاستہائے متحدہ اکثر اپنی بحری قوت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا ہے تیسری عظیم قوت برطانیہ ہے۔ ان تینوں کے طرز عمل سے بحرالکاہل میں ایک دوسرے کی بحری قوت کی تشکیل ہوتی ہے۔ مثلاً جاپان نے صلحنامہ واشنگٹن کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے اور برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ کے مساوی بحری قوت کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کے جواب میں ریاستہائے متحدہ نے اعلان کیا تھا کہ وہ ہر جاپانی جہاز کے اضافہ کے بعد اپنی قوت میں اس طرح اضافہ کرے گا کہ صلح نامہ واشنگٹن کا معینہ تناسب (۵ : ۵ : ۳) قائم رہے۔ اسی طرح یورپ کی موجودہ جنگ کی وجہ سے برطانیہ نے مشرق بعید اور بحرالکاہل

میں اپنے بحری بیڑہ کی قوت کو کچھ کم کر دیا ہے۔ اس کمی کو ریاستہائے متحدہ نے
ایک حد تک اس طرح پورا کیا کہ بحرالکاہل میں اپنے جنگی جہازوں کی تعداد
میں اضافہ کر دیا۔ ریاستہائے متحدہ اور جاپان کے بحری بیڑے بالعموم ساحلی
بندرگاہوں سے سامان حرب، تیل اور کوئلہ حاصل کرتے رہتے ہیں اور ان
کا ساحل سے قریب رہنا ضروری بھی ہے۔ جاپان اور امریکہ کے ساحل ایک
دوسرے سے اس قدر دور واقع ہوئے ہیں کہ ان بحری بیڑوں کا تصادم
مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح جزائر ہوائی اور سنگاپور بھی ایک دوسرے
سے بہت دور واقع ہیں۔ اس طرح تصدیق ہوتی ہے کہ بحرالکاہل پر ایک
حکومت کا اقتدار قریب قریب ناممکن ہے اور فی الحال تین حکومتوں
نے مختلف حصّوں پر تسلط حاصل کرکے اپنی قوت کو مستحکم کر لیا ہے۔

جنوبی امریکہ اور بحرالکاہل:۔ اس وقت تک لاطینی امریکہ کی حکومتوں نے
جو بحرالکاہل کی جانب واقع ہیں۔ (مثلاً چلی اور پیرو) بحری قوت نہیں بڑھائی
لیکن یہ ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جنوبی امریکہ کے ممالک کا آپس میں جنگ
عظیم کے دوران میں وہ اتحاد عمل نہیں تھا جو موجودہ زمانہ میں ہے اس میں شک
نہیں کہ جنوبی امریکہ کے ممالک اپنے اندرونی مناقشات میں مصروف ہیں اور
یورپ اور مشرق بعید کے معاملات سے علیحدگی کا اعلان کر چکے ہیں جنگ عظیم
کے آغاز میں بھی ہر ملک نے علیحدگی کا اعلان انفرادی طور پر کیا تھا لیکن کچھ عرصہ
بعد جنگ میں شریک ہو گئے تھے۔ یورپ کی موجودہ جنگ اور سیاسیات
عالم میں ان کا طرز عمل حسب ذیل کانفرنسوں کی تجاویز اور عہدناموں سے

متاثر ہو رہا ہے۔

(۱) اسپیشل کانفرنس آف پیس (Special Conference of Peace) (امن کی مخصوص کانفرنس) یہ کانفرنس بیونس ایرس میں ۱۹۳۶ء میں منعقد ہوئی تھی۔

(۲) پین امریکن کانفرنس (Pan American Conference) جو ۱۹۳۸ء میں لیما میں منعقد ہوئی تھی۔

ان کانفرنسوں کی تجاویز کے مطابق تمام امریکن ممالک خارجی معاملات میں متحدہ طور پر عمل کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ روزولٹ (موجودہ صدر ریاستہائے متحدہ) کے دور حکومت میں ریاستہائے متحدہ کے امریکن ممالک سے تعلقات بہت خوشگوار ہو گئے ہیں۔ اگر ریاستہائے متحدہ نے آئندہ کسی جنگ میں حصہ لیا تو خیال کیا جاتا ہے کہ شمالی اور جنوبی امریکہ کے تمام ممالک ریاستہائے متحدہ کی ہر طرح امداد کریں گے۔ لیکن ان ممالک کا بحر الکاہل اور مشرق بعید میں کوئی قابل ذکر مفاد نہیں ہے اور ان کی بحری قوت بھی بہت کم ہے۔ اس لئے ہم اس مختصر تذکرہ پر اکتفا کریں گے۔

۱۲- اختتام

بحرالکاہل کی سیاسیات دنیا کے بہتر کروڑ بیس لاکھ (۷۲۲،۰۰۰،۰۰۰) نفوس کے اقتصادی، قومی اور ملکی مسائل کا مجموعہ ہے۔ بحرالکاہل کے اطراف کے ممالک کی آبادی تقریباً دنیا کی آبادی کا ۳۵ فیصدی ہے۔ اس کے مقابلہ میں بحراوقیانوس، بحیرۂ روم اور بحیرۂ اسود کے ممالک کی آبادی نوے کروڑ (۹۰۰،۰۰۰،۰۰۰) ہے اور دنیا کی پوری آبادی کا تقریباً ۴۴ فیصدی ہے۔ بحرہند کے ساحلی ممالک کی آبادی دنیا کی پوری آبادی کا تقریباً ۲۰ فیصدی ہے۔ اس طرح موجودہ حالات میں انسانی آبادی کے اعتبار سے بحرالکاہل کی اہمیت دنیا کے سمندروں میں دوسرے درجہ پر ہے۔ بحرہند برطانوی سمندر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے حدود اس مثلث میں ہیں جو کیپ ٹاؤن کولمبو اور بندرگاہ پرتھ سے بنتا ہے۔ بحرالکاہل اور بحراوقیانوس کو بحرہند ملاتا ہے۔ دنیا کی اس عظیم ترین شاہراہ میں بحیرہ روم، نہر سویز اور آبنائے ملکا (سنگاپور) نہایت اہم ہیں۔ برطانیہ کے اقتصادی مفاد بحراوقیانوس، بحرالکاہل اور بحرہند تینوں سمندروں میں ہیں۔ بحیرۂ روم میں بھی برطانیہ کی قوت کسی سے کم نہیں ہے بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اطالیہ کے دعوؤں کے باوجود برطانیہ کو بحیرۂ روم میں زبردست اقتدار حاصل ہے دنیا کے عظیم ترین سمندروں کو جوڑنے والی شاہراہ پر برطانیہ کو پورا اقتدار حاصل ہے اور اس نے اہم جزیروں اور بندرگاہوں کو محفوظ اور مستحکم کرلیا ہے۔ گذشتہ صفحات میں ہم نے بتایا ہے کہ ایشیائی ممالک سے یورپ اور امریکہ کے تعلقات کی ابتداء

تجارت ختم ہوئی۔ اس کے بعد ایشیا میں بیرونی دول کے اقتصادی مفاد کے تحفظ کا سوال پیدا ہوا اور سیاسی حقوق اور قوت حاصل کرنے کی کوششیں شروع کی گئیں۔ مشرق بعید میں بیرونی اقوام کی موجودہ کشمکش یہ ہے کہ جاپان کے مطالبات اور ایشیائی اقوام کی سیاسی بیداری کی موجودگی میں ان اقتصادی اور سیاسی مفاد کو محفوظ رکھیں۔

ایشیائی ممالک بالخصوص مشرق بعید کے ممالک سے یورپ اور امریکہ کے سیاسی اور تجارتی تعلقات کی تاریخ کے تین ابواب ہیں۔ سب سے پہلے دور میں یورپین ممالک نے کوشش کی کہ ایشیا سے تجارت شروع کرکے چائے، ریشم، چینی برتن، سوتی کپڑا اور دوسری اشیاء خریدیں۔ یورپ کے تاجر چند اشیاء فروخت بھی کرتے تھے۔ کولمبس نے مشرق کے لئے تجارتی راستہ دریافت کرنے کی کوشش میں بحر اوقیانوس کو عبور کیا، ڈے گاما (Da Gama) نے بھی اسی جدوجہد میں افریقہ کے اطراف بحری سفر کیا اور میگیلن (Magallan) نے بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل دونوں کو عبور کیا۔ یورپ اور ایشیا کی تجارت کا دوسرا دور صنعتی انقلاب (Industrial Revolution) کے بعد شروع ہوا۔ صنعت و حرفت کی ترقی کی وجہ سے یورپ میں ضرورت سے زیادہ مال تیار ہونے لگا جس کے لئے منڈیوں کی تلاش کا سوال پیدا ہوا۔ مغرب کے تاجروں کی نظریں ایشیائی ممالک پر پڑیں۔ جہاں ان کا مال آسانی سے فروخت ہو سکتا تھا۔ ہندوستان اور چین ہر اعتبار سے نہایت زرخیز ممالک ثابت ہوئے۔ یورپ کی آبادی سرعت سے بڑھنے لگی اور وہاں دولت (سونا اور چاندی) کی قلت کی وجہ سے آبادی کی توجہ ایشیاء کی طرف ہوئی۔ اسی اثنا میں یا منتہائے

متحدہ بھی جاپان اور چین کی تجارت میں یورپین ممالک کا حریف بن کر نمودار ہوا دوسرے دور میں یورپ اور امریکہ نے ایشیائی ممالک پر وسیع سیاسی حقوق حاصل کئے۔ ایشیائی ممالک جمود و تاریکی کے عہد میں تھے۔ یورپ نے ایشیا کی دولت سے فائدہ اٹھایا۔ اپنی آبادی کے لئے نوآبادیات قائم کیں اور ایشیا کی اقوام کو طوق غلامی پہنایا۔ مغرب کی تہذیب تعلیم اور مذہب یہاں رائج ہونے لگے۔ ایشیاء کی قومیں مغرب کی مخالفت نہیں کر سکیں۔ صرف جاپان ایسا ملک ہے جس نے یورپ سے سبق سیکھا اور یورپ کے تمام طریقوں پر عمل پیرا ہوا۔ جاپان کی بیداری کے ساتھ بحرالکاہل کی سیاسیات کے تیسرے دور کا آغاز ہوا۔ ایشیائی ممالک میں صنعت و حرفت کو ترقی ہونے لگی۔ ۱۹۰۵ء کے بعد جاپان دنیا کے ممالک میں ہر اعتبار سے ممتاز شمار کیا جانے لگا۔ جنگ عظیم کی وجہ سے مشرق میں صنعت و حرفت کو بہت زیادہ فروغ ہوا۔ ایشیاء کے ممالک کی آبادی بڑھ رہی ہے اور ان کے سامنے وہی مسائل ہیں جن کا سامنا یورپ کو صنعتی انقلاب کے بعد کرنا پڑا تھا۔ ایشیاء کے ممالک نے صنعت حرفت، علم و ہنر اور سیاست میں مغرب سے سبق حاصل کیا ہے۔

آج کل ہم تیسرے دور سے گزر رہے ہیں۔ اگر ہم بحرالکاہل کی سیاسیات کو ایشیائی اور غیر ایشیائی نقطۂ نظر سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ (ریاستہائے متحدہ کے بنیادی مفاد سے قطع نظر) کچھ عرصہ بعد موجودہ کشمکش ایشیائی دول اور غیر ایشیائی ممالک کے درمیان رہ جائے گی۔ مغرب کے ممالک اپنے سیاسی اور اقتصادی مفاد کے تحفظ کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے لیکن یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ حریت کے جذبات کی بیداری اور صنعت و حرفت کی ترقی

کے بعد یورپ اور امریکہ کے ممالک ایشیائی باشندوں کو اسی حال میں رکھ سکیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ ایشیائی خطوں میں سفید باشندوں کے لئے مخصوص نوآبادیات کا قائم رکھنا بھی دشوار ہو جائے گا اور رفتہ رفتہ ایشیا کی وسیع تجارت بھی نسبتاً خطرے میں پڑ جائے گی۔ ایشیائی ممالک کو جب تک بنیادی حقوق حاصل نہ ہوں گے۔ بحر الکاہل میں زبردست کشمکش جاری رہے گی؛ جاپان بھی ایشیا کو مغرب کے اثرات سے آزاد دیکھنا چاہتا ہے اور اس کی موجودہ سرگرمیوں (جنگ چین) کی مخالفت کے باوجود ایشیائی ممالک میں اس کے دعوی کی تائید پائی جاتی ہے۔

نقشہ نمبر ۱

اعداد و شمار

دنیا کے اہم ممالک کی پیداوار، معدنیات، جنگلات اور رقبہ

نام	رقبہ	قابل زراعت زمین	لوہا	کوئلہ	تیل	جنگلات	گیہوں	چاول	کپاس
	مربع میل	لاکھ ایکڑ	لاکھ ٹن	لاکھ ٹن	لاکھ بیرل	لاکھ ایکڑ	لاکھ بشل	لاکھ بشل	اگانٹھیں
چین	۴۳۱۴۰۰۰	۷۰۰۰	۵۰۰۰	۲۸۰۰۰۰۰	۱۴۰۰۰	۱۹۰۰	۶۵۰۰	۲۰۴۰۰	۲۰۰۰۰۰۰
فرانس	۲۱۲۶۵۹	۴۰۰	۴۳۰۰۰	۱۷۶۰۰۰	۵۰	۲۴۰	۳۲۰۰		
جاپان خاص	۱۴۶۰۰۰	۱۵۰	۸۰۰	۸۰۰۰۰	۲۲۰۰۰	۴۷۰	۴۵۰	۳۴۲۰	۱۰۰۰
مانچوریا	۵۴۸۰۰۰	۷۵۰	۷۵۰۰	۴۸۰۰۰۰	۵۰	۸۸۰	۶۰۰	۱۵۰	۶۷۰۰۰
جزائر فلپائن	۱۱۴۰۰۰	۴۴۰	۴۳۰۰	۶۱۰	۵۲۰	۲۶۰	۰	۱۰۶۰	
برطانیہ	۹۴۲۸۱	۴۵۰	۲۳۰۰۰	۱۸۹۰۰۰	۰	۸۰	۶۰۰		
سلطنت برطانیہ	۳۴۷۱۹۰۳	؟	؟	۳۳۰۰۰۰۰	۵۰۰۰	۲۶۰۰	۹۰۰۰	۱۶۶۰۰	۵۰۰۰۰۰۰
روس	۸۲۴۴۰۰۰	۷۰۰	۴۰۰۰۰	۱۱۰۰۰۰۰	۱۸۰۰۰	۱۵۲۷۰	۱۰۸۰۰		۱۹۶۰۰۰۰
ریاستہائے متحدہ امریکہ	۳۶۲۴۰۰۰	۹۰۰۰	۱۰۰۰۰۰	۳۸۰۰۰۰۰	۱۲۰۰۰۰	۴۹۶۰	۵۳۰۰	۲۵۰	۱۳۰۰۰۰۰

نقشہ نمبر ۲

بحرالکاہل کے ممالک کی آبادی اور تناسب آبادی و رقبہ

نام	سال آبادی	آبادی (ہزار)	رقبہ ہزار مربع میل	آبادی فی مربع میل	تناسب آبادی فی زمین: فی صدی قابل زراعت زمین	تناسب آبادی فی زمین: فی صدی مزروعہ زمین
آسٹریلیا	۱۹۲۱	۶۵۲۶	۲۹۷۵	۲٫۲	۱۶٫۸	۱٫۳۲
برطانوی ملایا	۱۹۲۴	۳۱۷۵	۵٫۷۵	۸۱٫۸	؟	۱۲٫۴
کینیڈا	۱۹۳۱	۱۰۳۷۷	۳۴۵۷	۳٫۰	۱۸٫۳	۲٫۷
چین	۱۹۳۳-۳۴	۴۶۲۲۸۶	۴۳۱۴	۱۰۴٫۳	؟	۱۰٫۳
انڈوچائنا	۱۹۳۱	۲۱۴۵۲	۲۸۵٫۸	۷۵٫۰	؟	۱۰٫۰۹
جاپان (خاص)	۱۹۳۲	۶۶۲۹۶	۱۴۶	۴۵۴٫۰	۲۰	۱۵٫۵۵
منچوریا اور کوانٹنگ	۱۹۳۲	۳۰۹۵۹	۵۴۰	۵۶٫۵	۲۸٫۲	۱۲٫۹
نیوزی لینڈ	۱۹۳۲	۱۵۴۱	۱۰۳	۱۴٫۹۸	؟	۲٫۹
فلپائن	۱۹۳۰	۱۲۲۵۱	۱۱۴	۱۰۷٫۴	۵۵٫۰	۱۴٫۵
سیام	۱۹۳۱	۱۱۹۴۰	۲۰۰	۵۹٫۷	؟	۹٫۲۷
روس	۱۹۳۱	۱۳۱۴۳	۸۱۶۷	۱۹٫۸۲	؟	۱۱٫۴۵
ریاستہائے متحدہ	۱۹۳۰	۱۲۲۷۷۵	۲۹۷۴	۴۱٫۳	۵۱٫۰	۱۸٫۸۶
ولندیزی مقبوضات	۱۹۳۰	۶۰۷۲۹	۷۳۴	۸۲٫۸		جاوا اور مدورا ۹۳٫۱

نقشہ نمبر ۳

دنیا کی اہم دول کی بری اور بحری قوتوں کا آبادی، ذرائع آمدنی اور زراعت سے تناسب

نام حکومت	رقبہ	قابل زراعت زمین	آبادی		غیر جنگی آبادی	نقل و حمل موٹر ۱۹۲۵ء	اضافی زرعی آبادی	قومی دولت	صنعتی دولت	مجموعی قوت علاوہ بحری بیڑہ
ریاستہائے متحدہ امریکہ	۳	۱	۳		۳	۳	۴	۱	۱	۱
روس	۱	۲	۲		۰	۲	۲	۲	۲	۲
جاپان	۶	۸	۴		۲	۲	۳	۶	۷	۳
برطانیہ	۸	۶	۶		۰	۵	۷	۳	۶	۴
جرمنی	۵	۵	۵		۰	۴	۵	۷	۵	۶
فرانس	۴	۴	۷		۱	۷	۸	۵	۴	۵
اٹلی	۷	۷	۷		۴	۶	۶	۸	۸	۷
چین	۲	۳	۱		۰	۱	۱	۴	۳	۰

نقشہ نمبر ۴

مندرجہ ذیل دول کی ممالک بحرالکاہل سے تجارت کے اعداد و شمار

(لاکھ ڈالر)

مُلک	۱۹۳۱		۱۹۳۲	
	درآمد	برآمد	درآمد	برآمد
آسٹریلیا	۲۹۲۰ ڈالر	۱۴۸۳ ڈالر	۱۷۹۱ ڈالر	۲۹۳۲ ڈالر
کینڈا	۹۰۶۶	۷۹۹۷	۵۳۰۹	۵۳۶۹
چین	۵۲۱۳	۳۲۷۴	۳۶۱۳	۱۶۰۵
انڈوچائنا	۵۰۷	۴۵۰	۳۰۹	۴۰۰
جاپان	۶۰۹۹	۵۵۹۱	۴۰۲۴	۳۹۶۳
نیوزی لینڈ	۱۱۳۹	۱۴۸۶	۸۰۸	۱۱۲۹
فلپائن	۹۹۲	۱۰۴۰	۰	۰
سیام	۹۷۷	۷۰۶	۴۳۹	۵۹۰
برطانیہ	۳۹۰۱۱	۱۷۸۳۹	۲۴۶۵۳	۱۲۸۰۲
روس	۵۶۹۱	۴۱۷۸	۳۵۹۸	۲۹۰۴
ریاستہائے متحدہ امریکہ	۲۴۲۴۰	۲۰۹۱۰	۱۶۱۰۰	۱۳۲۳۰
ولندیزی مقبوضات	.۲۳۴۲	۳۰۰۲	۱۴۸۳	۲۱۷۶

نقشہ نمبر ۵

ریاستہائے متحدہ امریکہ کا (خانگی) سرمایہ جو بحر الکاہل کے ممالک میں لگا ہوا ہے

دسمبر ١٩٣٠

ملک	ہزار ڈالر
برطانوی ملایا (معہ سیام اور فرانسیسی انڈو چائنا)	٢٧,١٠٣
چین	١٢٩,٧٦٨
جاپان	٤٤٤,٦٣٩
ولندیزی مقبوضات	٢٠١,٣٣٢
فلپائن	١٦٦,٢٤٥
ایشیا کے اور ممالک	٥٣,٨٦١
آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ	٤١٩,٢٩٤
کینیڈا	٣,٩٤١,٦٩٣
کل	٥,٢٨٣,٩٣٦
دنیا کے تمام ممالک میں ریاستہائے متحدہ کا خانگی سرمایہ	٥,٦٧٥,١٢٠٨ :
فیصد کل سرمایہ جو بحر الکاہل کے ممالک میں لگا ہوا ہے	٣٤,٣٦

برطانیہ کا خانگی سرمایہ جو بحرالکاہل کے ممالک میں لگا ہوا ہے

دسمبر ۱۹۳۰

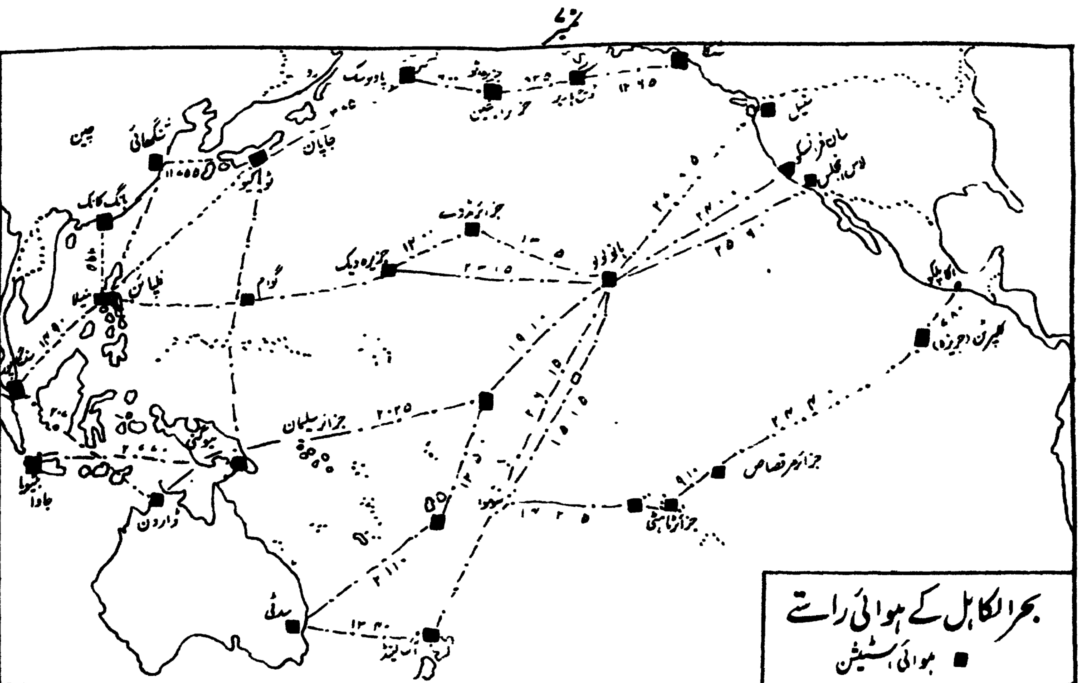
ملک	لاکھ پونڈ
کینڈا اور نیوفاؤنڈلینڈ	۵۲۵۰ پونڈ
آسٹریلیا اور بحیرۂ جنوبی کے جزائر	۴۹۴۰ "
ریاستہائے متحدہ امریکہ	۲۰۰۰ "
نیوزی لینڈ	۱۲۳۰ "
مجمع الجزائر ملایا اور ولندیزی مقبوضات	۱۰۸۰ "
جاپان	۶۳۰ "
چین	۴۰۰ "
بحرالکاہل کے اور ممالک	۱۵۰ "
کل	۱۵۶۸۰ "
دنیا کے تمام ممالک میں برطانیہ کا خانگی سرمایہ	۳۷۲۵۰ "
فیصدی سرمایہ جو بحرالکاہل کے ممالک میں لگا ہوا ہے	۴۲٫۱

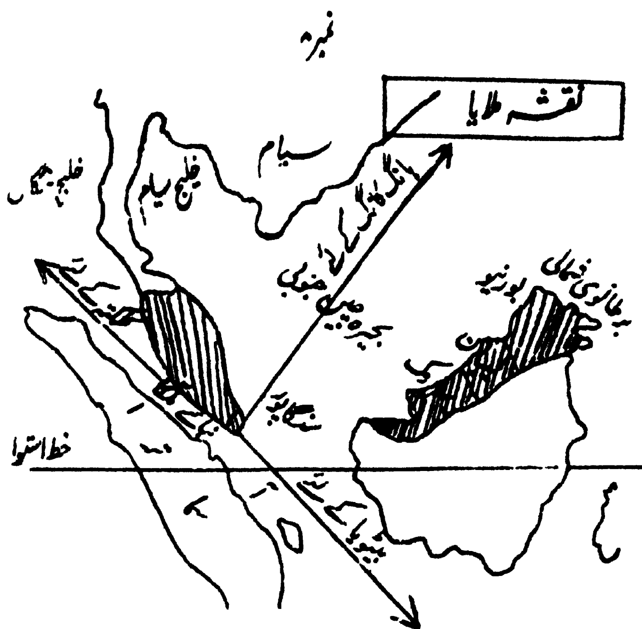
نقشہ نمبر ۶

چین اور منچوریا میں بیرونی سرمایہ

(لاکھ ڈالر) (سنہ ۱۹۳۱ء)

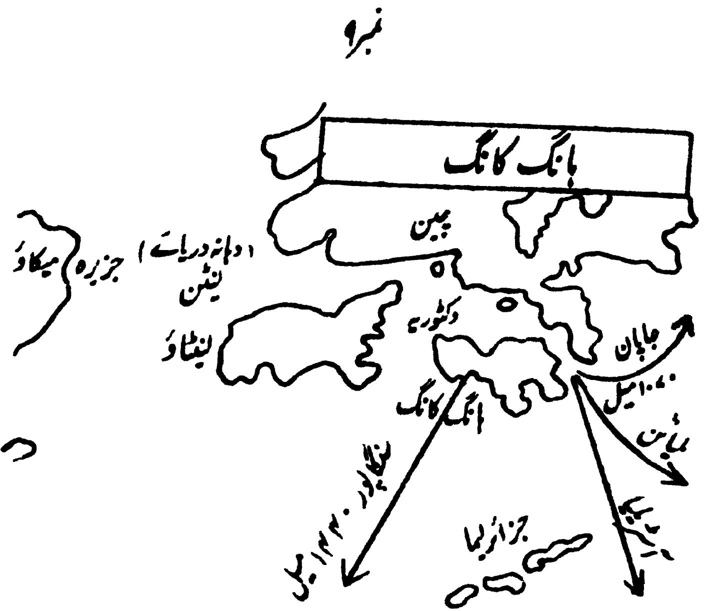
ملک	تجارتی سرمایہ	چینی حکومت پر قرض	کل	فیصدی
برطانیہ	۹۶۳۴ ڈالر	۲۲۵۸ ڈالر	۱۱۸۹۲ ڈالر	۳۶ر۷
جاپان	۹۱۲۸ "	۲۲۴۱ "	۱۱۳۶۹ "	۳۵ر۱
روس	۲۷۳۲ "	۰	۲۷۳۲ "	۸ر۴
ریاستہائے متحدہ	۱۵۵۱ "	۴۱۷ "	۱۹۶۸ "	۶ر۱
فرانس	۹۵۰ "	۹۷۴ "	۱۹۲۴ "	۵ر۹
جرمنی	۷۵۰ "	۱۲۰ "	۸۷۰ "	۲ر۷
بلجیم	۴۱۰ "	۴۸۰ "	۸۹۰ "	۲ر۷
ہالینڈ	۱۰۰ "	۱۸۷ "	۲۸۷ "	ر۹
اطالیہ	۴۴ "	۴۲۰ "	۴۶۴ "	۱ر۴
سکینڈی نیویا	۲۰ "	۹ "	۲ر۹	ر۱
کل	۲۵۳۱۹	۷۱۰۶	۳۲۴۲۵	۱۰۰


بحرالکاہل کے ہوائی راستے
ہوائی اسٹیشن
چین
شنگھائی
ہانگ کانگ
جاپان
ٹوکیو
منیلا
فلپائن
گوام
جزیرہ ویک
ہونولولو
سان فرانسسکو
لاس اینجلس
سیٹل
جزائر سلیمان
جاوا
ڈارون
سڈنی



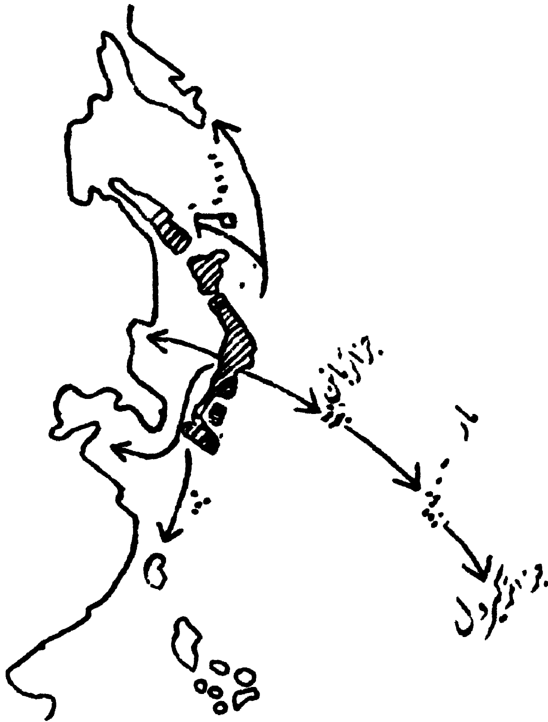
نمبر ۹
نقشہ ملایا
سیام
خلیج سیام
بحیرہ چین جنوبی
بورنیو
خط استوا

نمبر ۹

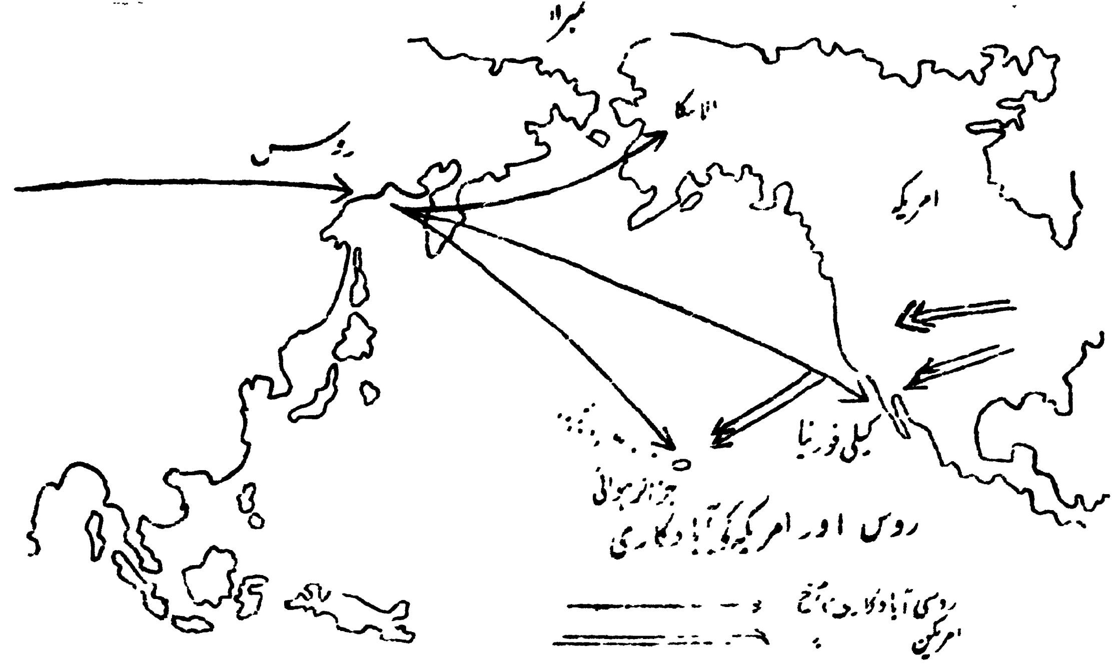


ہانگ کانگ
چین
دہانہ دریائے کینٹن
جزیرہ میکاؤ
لینٹاؤ
وکٹوریہ
ہانگ کانگ
جاپان
۱۰۷۰ میل
فلپائن
آسٹریلیا
جزائر لیما
سنگاپور ۱۴۳۰ میل

نمبر ۱۰



جاپانی آبادکاری


روس
الاسکا
امریکہ
کیلی فورنیا
جزائر ہوائی
روس اور امریکہ کی آبادکاری
روسی آبادکاری کا رخ
امریکن "



بر ۱۰

مجمع الجزائر غرب الہند

جزائر بہاماس

خلیج میکسیکو

کیوبا

ہیٹی

لندن ۴۰۲۲ میل

برطانوی ہانڈورس

جامیکا

جزائر لی ورڈ

جزائر ونڈورڈ

باربے ڈوس

ٹرینی داد

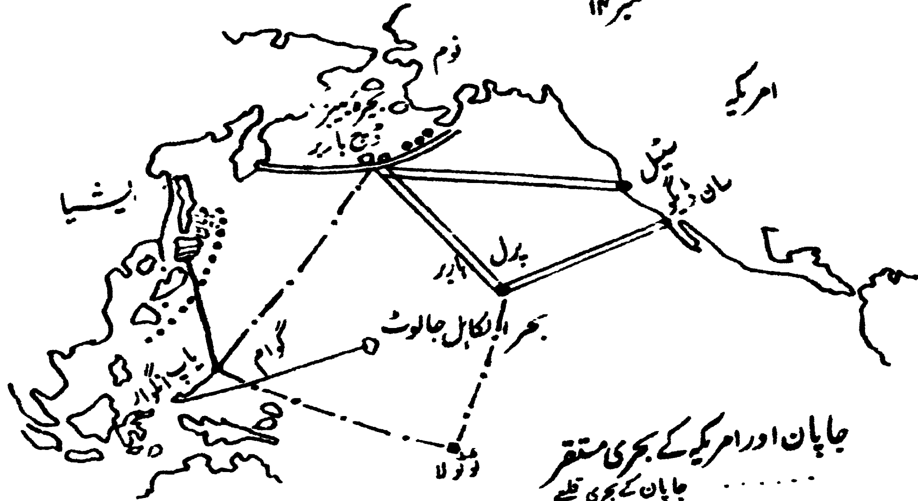
پنامہ

سڈنی

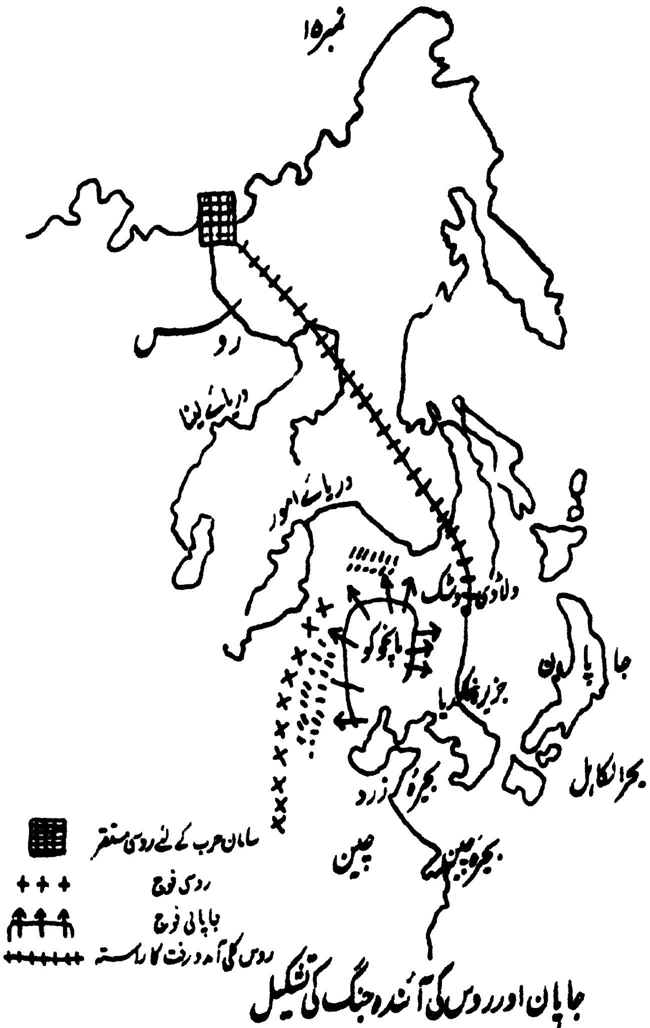
۶۹۹۴ میل

جنوبی امریکہ

برطانوی گائنا



نمبر ۱۴
نوم
امریکہ
سیٹل
ڈچ ہاربر
ایشیا
پرل ہاربر
بحر الکاہل
گوام
ٹوٹولا
جاپان اور امریکہ کے بحری مستقر
جاپان کے بحری قلعے
جاپان کی بحری مدافعت کا راستہ
ریاستہائے متحدہ کا قدیم بحری مدافعت کا راستہ
کی جدید بحری مدافعت



جاپان اور روس کی آئندہ جنگ کی تشکیل

فہرست کتب و رسالہ جات

اس کتاب کی تیاری میں جن کتب اور رسالہ‌جات سے امداد لی گئی ہے ان کی مکمل فہرست طویل ہے چند اہم کتابوں اور رسالوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں

I کتب

(1) The Struggle for the Pacific. Gregory Bienstock.

(2) Pacific Scene. Harry Greenwall.

(3) The Pacific Area and Its Problems. D R. Nugent & R. Bell.

(4) The Far Eastern Policy of the U S.A. A. W. Griswold

(5) Encyclopaedia Britannica.

(6) The Menace of Japan. Jaid O'Conroy

(7) China Struggles for Unity. J.M.D Pringle

(8) An Empire Prepared. Donald Cowie

(9) Peoples of the Pacific. H. Pratt. (N.Y.)

(10) An Atlas of Far Eastern Politics Hudson & Rajchman

II رسالہ جات

(1) Pacific Affairs (Institute of Pacific Relations N. Y.)

(2) International Affairs (The Royal Institute of International Affairs London.)

(3) Twentieth Century & After

(4) The National Review.

(5) The New Asia. Calcutta.

(6) The Asiatic Review.

(7) The Political Quarterly. London.

(8) The Foreign affairs.

(9) The Round Table.

(10) The Quarterly Review.

(11) Contemporary Japan.